

اولیاء کرام کے وصال کے بعد ظہور کرانا ان کے مزار پر
قبے بنانے اور چادر چڑھانے کے موضوع پر نفیس تحقیق

کشف النور عن

اصحاب القبور

— تصنیف —

امام علامہ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ، القدسی المتوفی

— ترجمہ —

رئیس الشریعہ حضرت علامہ مولانا محمد عبد الحکیم شرفاوی صدر مدرس جامعہ رضویہ لاہور

بسعۃ حبیبیہ

مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا سید زاہد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ نوریہ رضویہ

گنج بخش روڈ — لاہور

نام کتاب کشف النور عن اصحاب القبور
 مصنف علامہ عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ علیہ
 ترجمہ رئیس التحریر علامہ عبد الحکیم شرف قادری
 بسعی جمیلہ مبلغ اسلام علامہ سید زاید علی شاہ ہنصار رحمہ اللہ علیہ
 سائز 18×23
 صفحات ۶۴ صفحات
 ناشر مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور
 طابع بخت یار پریس لاہور
 قیمت تین روپے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور صلوة و سلام اس ذاتِ اقدس پر جن کے بعد کوئی دنیا نبی نہیں،

بندہ عبدالغنی ابن اسماعیل نابلسی کہتا ہے:

میں نے یہ رسالہ کراماتِ اولیاء کے ظہور بعد از وصال ان کے مزارات پر قبے بنانے اور چادریں چڑھانے کے سلسلے میں لکھا ہے اور اس کا نام "کشف النور عن اصحاب القبور" رکھا،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے حق و صواب القاء کرے اور میرے مسلمان بھائیوں کو حق ظاہر ہونے پر انصاف و اعتراف کی توفیق دے، اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور دعا کی قبولیت اس کے شایانِ شان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کرامات سے مقربین بارگاہ کو نوازا ہے
برادرانِ اسلام! وہ ایسے امور ہیں جو مخلوقات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ

کی عادت کے خلاف، محض اس کی قدرت و ارادہ کے تحت ہیں ان میں ولی کو دی گئی قدرت اور ارادے کو باعتبار تاثیر و تخلیق کے کچھ دخل نہیں، ولی میں جو قدرت و ارادہ پیدا کیا گیا ہے وہ صرف اس بات کا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر کرامات کو پیدا کرے اور ان کرامات کی نسبت ولی کی طرف ہو جس شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ ولی کو کسی کرامت میں تاثیر (ایجاد) ہے وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے جیسا کہ علم توحید میں بیان کیا گیا ہے۔

کرامت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ جو کرامات ولی کے ہاتھ پر پیدا فرماتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہہ ولی اس امر کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تاثیر میں منفرد ہے اور میں تاثیر قوت نہیں رکھتا حتیٰ کہ اس کے نفس کی حرکات یعنی بدن میں پھیلی ہوئی روحانی قوتوں قوتہ باصرہ، سامہ، ذائقہ، لامہ، شامہ، دیکھنے، سُننے، چکھنے، ٹٹولنے اور سونگھنے والی قوتیں، اور قوتہ عقیلیہ، باطنہ، متفکرہ، متخیلہ اور حافظہ کی حرکات، اسی طرح تمام اعضاء اور پٹھوں وغیرہ میں ظاہر ہونے والی حرکات تمام اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی ہیں، ولی ہر وقت ان سب کا اپنے نفس میں مشاہدہ کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے۔ ماسوا ان بعض اوقات کے جب اللہ تعالیٰ اس پر غفلت طاری کر دیتا ہے۔ اس وقت وہ (حقیقتاً) ولی نہ ہوگا، زمان ماضی کے اعتبار سے (مجازاً) ولی ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مومن جب سو جاتا ہے تو اسے اس نے مومن (تصدیق کرنے والا) کہا جاتا ہے کہ وہ حالت بیداری میں (زمان ماضی میں) مومن تھا۔

یہ حالت، اولیاء کا ادنیٰ حال اور ادنیٰ مشاہدہ ہے اس حالت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "انک میت وانہم صیتون" سے بطور اشارہ اخذ کرتے ہوئے طریق اولیاء میں موت اختیاری کہا جاتا ہے، اشارہ آیت کے معنی یہ ہے اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، بے شک تم وصال پانے والے ہو اور وہ مرنے والے ہیں اگرچہ بظاہر تم سے اور ان سے ظاہر و باطن میں افعال اور ادراک کے اعتبار سے تاثیر ہے، کیونکہ تمہاری اور ان کی حیات مخلوق ہے اور حیات و عرض ہے جس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ باطن ادراک اور ظاہر افعال و اقوال

پیدا فرماتا ہے نہ کہ اس کے ذریعے سے تو یہ حیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے پیدا کرنے کا سبب محض ٹھہری لہذا درحقیقت آپ میں اور ان تمام میں یہی موت ہے۔ یہ اختیاری موت مقام ولایت کے لئے شرط ہے، ولی جب تک اس کے ساتھ متصف نہیں ہوتا ولی نہیں بنتا،

حدیث شریف ”من عرف نفسه فقد عرف ربه“ کا اسی طرف اشارہ ہے، یعنی جس نے یہ پہچان لیا کہ نفس ان ظاہری اور باطنی قوتوں سے عبارت ہے جو غیر کی قدرت سے عدم سے معرض وجود میں آئی ہیں، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، رب کا معنی مالک ہے تو معنی یہ ہوا کہ اس نے اپنے ظاہری اور باطنی امور کے مالک، اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا، اسے پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان قوتوں کا مالک ہے اور جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے، یہ بھی جان لے گا کہ میرا نفس اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جس طرح چاہے اور پسند فرمائے اس میں تصرف فرماتا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم کے لئے یہ الفاظ ادا فرماتے تھے ”والذی نفسی بیدہ“ یعنی قسم ہے اس ذات پاک کی کہ میری تمام ظاہری اور باطنی قوتیں صرف اسی کے تصرف میں ہیں مجھے اس تصرف میں کچھ دخل نہیں، اس سے حدیث تقرب بالنوافل ”كنت سمعه الذی یسمع بہ و بصره الذی یبصر بہ“ الحدیث کا مطلب سمجھا جاسکتا ہے، یعنی نوافل کے ذریعے تقرب حاصل کرنے والے پر فاعل حقیقی ظاہر ہو جاتا ہے جو اس کی تمام قوتوں میں تصرف کرنے والا ہے اور قوی اس کے نزدیک بے اثر اعراض رہ جاتی ہیں جیسے کہ حقیقت بھی یہی ہے جب یہ قوتیں متقرب کی نظر سے زائل ہو جائیں تو انوار الہیہ ان کی جگہ ظہور پذیر ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ اختیاری موت کے بعد ہی ہوگا۔

جب حقیقت یہ ہے تو ولایت، عارفین کے نزدیک موت اختیاری کے ادراک اور اس سے متصف ہونے سے مشروط ہوئی اور اس وقت کرامات کے لئے موت کی موجودگی شرط ہوگی نہ کہ زندگی، جب یہ صورت ہے تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ موت کرامات کے منافی ہے، اس لئے کہ موت کرامات کے لئے شرط ہے (اور شرط مشروط کے منافی نہیں ہوتی، جب تک کوئی انسان اپنے آپ میں اس موت کا یقین نہیں کر لیتا وہ نہ عارف ہے نہ ولی وہ تو ایک عام مومن ہے جو غفلت اور حجاب میں گھرا ہوا ہے اس لئے کہ ولی وہ انسان ہے جس کے تمام ظاہری اور باطنی امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، ہاں ایک عام آدمی اپنے آپ کو اپنے امور کا مالک سمجھتا ہے کیونکہ وہ تمام امور کے مالک حقیقی، اللہ تعالیٰ سے غافل و بے خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن و کافر، اور غافل و ہوشمند کے امور کا مالک ہے، اس کے باوجود فرماتا ہے

قل هل یتوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کو متصرف جاننے والے اور اس حقیقت سے بے خبر برابر نہیں ہیں۔ انما یتذکر اولو الالباب کا مقصد یہ ہے کہ ارباب بصیرت بخوبی جانتے ہیں کہ عالم و جاہل اس اعتبار سے یکساں ہیں کہ ہر ایک کے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا تصرف جاری ہے۔



ثبوت کرامات کے دلائل

دلیل ۱۱، کرامت بعد از وصال کا ثبوت فقہاء کے اس قول سے ملتا ہے کہ "قبروں کی پامالی مکروہ ہے" امام خبازی "مختصر محیط سرخسی" میں فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر کے پامال کرنے، اس پر بیٹھنے یا سونے، پیشاب کرنے اور فضائے حاجت کو مکروہ قرار دیا کہ اس میں صاحب قبر کی توہین ہے۔

قاری الہدایہ کی تصنیف جامع الفتاویٰ میں ہے: بعض فضلاء سے قبر کی پامالی کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے فرمایا: مکروہ ہے، سائل نے پوچھا کیا مکروہ تنزیہی ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ گنہگار ہوگا، اس لئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قبر پر چلنے سے انکار ہے پر پاؤں رکھنا زیادہ پسند ہے، سائل نے پھر پوچھا کہ تابوت اور اس کے اوپر کی مٹی چھت کا درجہ رکھتی ہے (جب چھت پر چلنا جائز ہے تو قبر پر کیوں ناجائز ہے) فرمایا: تم صحیح کہتے ہو لیکن میت کا حق باقی ہے لہذا قبر کو پامال کرنا جائز نہیں ہے، امام خمندی سے پوچھا گیا کہ جس شخص کے والدین کی قبریں دوسرے مسلمانوں کی قبروں کے درمیان ہوں کیا اس کے لئے دعا، تسبیح اور تلاوت قرآن میں مصروف ہو کر قبروں کے درمیان سے گزرنا اور والدین کی قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے؟ فرمایا: ہاں بشرطیکہ قبروں کو پامال کئے بغیر ممکن ہو۔

۱۲۔ اس مسئلہ کی تحقیق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین میں ملاحظہ فرمائیں

فتح القدير میں ہے قبر پر بیٹھنا اور اسے پامال کرنا مکروہ ہے۔ بنا بریں عامۃ الناس کا یہ فعل مکروہ ہے کہ اگر ان کے عزیزوں کے ارد گرد دوسرے لوگ دفن کر دیئے گئے ہوں تو وہ اپنے باپ کی قبر تک پہنچنے کے لئے دوسروں کی قبروں کے اوپر سے گزر جاتے ہیں۔ قبر کے پاس سونا اور قضا حاجت مکروہ ہے۔ بلکہ قضا حاجت ، بطریق اولیٰ مکروہ ہے، اسی طرح ہر وہ فعل جو سنت سے معلوم نہیں ہے سنت سے صرف اس قدر معلوم ہے کہ قبروں کی زیارت کی جائے اور انکے پاس کھڑے ہو کر دعا کی جائے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقیع شریف (مدینہ طیبہ کا قبرستان) جا کر کیا کرتے تھے اور فرماتے :-

تم پر سلام ہو اے ایمان دار قوم ، ہم انشاء اللہ العزیز ،
تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں ، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے
اور تمہارے لئے عافیت کا طلب گار ہوں (فتح القدير)

جب یہ امر درست ہے اور کتب فقہ میں ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مردوں کی بعد از وفات تعظیم و توقیر ہی ہے کہ قبر پر چلنا اور بیٹھنا مکروہ ہے، یہ عزت و کرامت شریعت مبارکہ میں ثابت ہے، یہ مخلوق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف ہے کیونکہ عادت اس طرح جاری ہے کہ انسان کے لئے زمین پر چلنا اور بیٹھنا اور تمام حیوانات کے اجزاء کو پامال کرنا جائز ہے، صرف اہل ایمان مردے اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے حق میں عادت کی مخالفت کی گئی ہے اور یہ تمام امور مکروہ تحریمی قرار دئے گئے ہیں کیونکہ مطلق کراہت، کراہت تحریمیہ پر ہی محمول ہوتی ہے۔ یہ سب بعد از وصال ان کی تعظیم کی بنا پر ہے حالانکہ وہ عامۃ المسلمین میں سے ہیں۔ خواص مسلمین یعنی اولیاء کرام مقربین بارگاہ الہی کا کیا مقام ہوگا۔؟ اس گفتگو سے شرعی طور پر کرامت بعد از وفات ثابت ہوگئی۔

دلیل نمبر ۲۲: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع شریف میں قبروں کی زیارت کرتے تھے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے یہ بھی کرامات بعد از وصال کے ثبوت کی دلیل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر نہ جانتے کہ ایمانداروں کی قبروں کے پاس دعا خصوصیت مقام کے سبب مقبول ہے تو ان کی قبروں کے پاس یہ دعا: اسأل اللہ لی و لکم العافیۃ (میں اپنی اور تمہاری عافیت کیلئے دعا مانگتا ہوں) نہ مانگتے اور مومنوں کی قبروں کی برکت سے (جن پر رحمت الہیہ نازل ہوتی رہتی ہے) دعا کا قبول ہونا بعد از وصال کرامات سے ہے یہ تو عام مومنوں کی قبروں کے بارے میں ہے۔ خواص اہل توحید، کامل یقین والے، مقربین بارگاہ الہی کی شان تو بہت بلند ہے۔ اس میں بھی کرامت بعد از وصال کا ثبوت ہے۔

دلیل نمبر ۲۳: شریعت مطہرہ کا یہ حکم کہ مسلمان میت کو غسل دینا، کفن پہنانا اور دفن کرنا ازراہ تکریم واجب ہے یہ ایسی کرامت ہے جو شریعت مبارکہ نے مومنین کیلئے بعد از وفات ثابت کی ہے اور یہ عادت کافروں اور تمام حیوانات کے بارے میں طریقہ جاریہ کے خلاف ہے۔ جنہیں غسل نہیں دیا جاتا۔

دلیل نمبر ۲۴: نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ میت موت سے بلند ہو جاتی ہے اور موت سے ثابت ہوئی نجاست زائل کر نیکی لئے صرف انسان کیلئے ازراہ کرامت غسل واجب ہے۔ دیگر حیوانات کیلئے نہیں، جامع الفتاویٰ میں ہے کہ میت کو ایسے غسل دیا جاتا ہے کہ وہ تمام دوسری حیوانات کی طرح موت سے نجس ہو جاتا ہے البتہ یہ انسان کی کرامت ہے کہ وہ غسل سے پاک ہو جاتا ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ مومن ہے ایسے پلید نہیں ہوتا، غسل اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ بے وضو ہے (انتہی) یہ بھی مومن کی کرامت بعد از وفات کا ثبوت ہے۔

دلیل نمبر ۲۵: جامع الفتاویٰ میں ہے، قبر پر عمارت تعمیر کرنا مکروہ نہیں ہے جبکہ میت مشائخ علماء اور سادات سے ہو، اسی میں ہے، میت کو غسل دینے والا با وضو ہونا چاہئے اور یہ مکروہ ہے کہ فاسل طہی ہو یا حیض والی عورت ہو (انتہی) یہ بھی مومن کیلئے بعد از وفات کرامت کا صریح ثبوت

ہے، بلکہ مومن کے لئے تمام کرامتیں موت کے بعد ہی ثابت ہوتی ہیں، دنیاوی زندگی میں اس کے لئے حقیقتہً نہیں مجازاً کرامت ہوتی، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے پڑوس میں ایسے دار میں رہتا ہے جس میں کفر کیا جاتا ہے۔ کسی عقلمند کو اس میں شک نہیں ہو سکتا، امام نسفی عمدۃ الاعتقاد میں فرماتے ہیں، ہر مومن موت کے بعد اسی طرح حقیقتہً مومن ہے جس طرح نیند کی حالت میں، اسی طرح رسولانِ گرامی اور انبیاء کرام وصال کے بعد حقیقتہً رسول اور نبی ہیں، کیونکہ نبوت اور ایمان سے روح موصوف ہوتی ہے اور روح مرنے سے متغیر نہیں ہوتی۔ (انتہی)

ہم کہتے ہیں مومن سے امام نفسی کی مراد یا تو مومن کامل (دولی) ہے اور ایمان سے مراد ایمان کامل ہے جو کہ ولایت ہے تو مقصد ہو گا کہ ولایت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے کیونکہ وہ روح کی صفت ہے اور روح تغیر پذیر نہیں ہے یا مومن سے ان کی مراد مطلق مومن اور ایمان سے مطلق ایمان ہے اس صورت میں مومن کامل اور ایمان کا حکم بطریق اولیٰ سمجھ جائے گا جب کہ ہم نے بیان کیا، خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

لا یذوقون فیہا الموت الا الموقتا الاولیٰ -

ہم اس آیت کے اشارہ پر کلام کرتے ہیں اگرچہ اس کی عبارت کا انکار بھی نہیں کرتے جیسے کہ اہل اللہ کا طریقہ ہے۔

لے حضرت مولانا محمد حسن جان سرہندی مجددی قدس سرہ الاصول الاربعہ میں فرماتے ہیں کہ اگر وفات کے بعد رسولوں سے رسالت، انبیاء سے نبوت اور اولیاء سے ولایت و کرامت زائل ہو جائے تو عام آدمی کے پاس سوائے ایمان کے کیا ہوتا ہے لازم آئے گا کہ عام آدمی مرتے ہی ایمان سے محروم ہو کر کافر ہو جائے (نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک)

عارفین کی دوستیں ہیں۔

۱۔ نفوس میں

۲۔ ابدان میں

عرفاء کے نزدیک نفوس معتبر ہیں نہ کہ ابدان کیونکہ بدن نفوس کی رہائش گاہ ہیں اور اعتبار مکین کا ہوتا ہے نہ مکان کا، راز باشندوں میں ہوتا ہے نہ مسکن میں، وہ جب اپنے نفوس سے ظاہری اور باطنی طور پر شرعی مجاہدہ کرتے ہیں اور طریق استقامت پر گامزن ہو جاتے ہیں تو ان کے نفوس (اختیاری موت) مر جاتے ہیں اور وہ موت کا ذائقہ چکھ لینے کی بنا پر حق کو پالیتے ہیں، ان کی رو میں دنیا میں نفوس کے واسطہ کے بغیر اجسام کی تدبیر میں مصروف رہتی ہیں اور وہ صورتہ بشری کے باوجود معنوی طور پر فرشتے بن جاتے ہیں کیونکہ فرشتے ارواح مجتہدہ ہیں اور عرفاء بھی نفوس کی موت کے بعد ارواح مجتہدہ رہ جاتے ہیں، جیسے کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت مہیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تھے، اب جس وقت ان کی رُوحوں کا تعلق تدبیر اجسام سے منقطع ہوگا (وفات کے وقت) تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح ہوں گے، جب کہ وہ صورت بشریہ سے جدا ہو کر عالم تجرد میں چلے جاتے ہیں۔ ان کے حق میں یہ موت حقیقی نہیں بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف اور ایک رنگ سے دوسرے رنگ کی طرف انتقال ہوگا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انکے حق میں فرمایا۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ الْأُولَىٰ

آیت کریمہ کا یہ ایک اشارہ ہے جس کے معنی اور مفہیم کی کوئی مد نہیں اور اس کی حکمتیں، اسرار اور اشارات کی کوئی انتہا نہیں۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو کوئی عاقل کیسے گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ولی سے اپنے انعام و اکرام منقطع فرمادے گا جس کی ولایت موت طبعی سے کامل ہو گئی اور وہ عالم مجتہدات سے ملحق ہو کر عالم ملکوت کی فضا میں فرشتوں کی معیت حاصل کر چکا ہے جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے وقت یہ دعا فرماتے: "اللهم الرفیق الاعلیٰ"

وصال کے بعد کرامات کی مستند روایات

محققین اہل اللہ کی تصانیف میں اولیاء کرام کی بہت سی ایسی حکایات واقع ہیں جن سے اولیاء کرام کی کرامات بعد از وصال کا پتہ چلتا ہے۔ یہ وہ روایات ہیں جنہیں معتد علماء نے قبول کیا ہے ہمارے لئے ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے

امام غزالی کی کرامت

ہمارے مقتدی، مجتہد کامل، عالم عامل، شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اپنی تصنیف "روح القدس فی مناقبہ النفس" میں حضرت ابو عبد اللہ ابن زین یا بری اشجیلی کے تعارف میں فرماتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے تھے، انہوں نے ایک رات امام ابو حامد غزالی کے رد میں ابوالقاسم ابن حمدین کی تالیف کا مطالعہ کیا تو نابینا ہو گئے اسی وقت بارگاہ الہی میں سجدہ کیا اور عجز و نیاز پیش کر کے قسم کھائی کہ آئندہ اس کتاب کو نہیں پڑھوں گا اور اسے اپنے آپ سے دور کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بینائی لوٹا دی۔ (انتہی)

یہ امام ابو حامد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد ان کی کرامت تھی جو اس بزرگ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئی، امام علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احوال موت کے بیان میں اپنی تصنیف کردہ کتاب "بشری الکیب بقارہ العیب" میں فرمایا: حافظ ابوالقاسم لالکانی نے "اسنتہ" میں پوری سند کے ساتھ محدثین نصر صانع سے روایت کی کہ میرے والد فوت شدہ مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے میں بہت شغف رکھتے تھے انہوں نے فرمایا: ہر

بیٹے! میں ایک دن ایک جنازہ پر حاضر ہوا جب لوگ اسے قبر میں رکھ چکے تو دو آدمی قبر میں اترے پھر ایک باہر نکلا اور دوسرا اندر ہی تھا کہ لوگوں نے مٹی ڈال دی، میں نے کہا دوستو! کیا میت کے ساتھ زندہ بھی دفن کر دیا جائے گا؟ انہوں نے کہا قبر میں تو اور کوئی نہیں ہے میں نے سوچا ممکن ہے مجھے ہی شبہ ہوا ہو، اس کے بعد میں پھر قبر پر گیا اور دل میں کہا کہ میں نے دو آدمی ہی دیکھے تھے جن میں سے ایک باہر نکلا تھا دوسرا اندر ہی رہا۔ میں اس وقت تک یہیں رہوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ یہ معاملہ منکشف نہ فرمادے، میں نے دس مرتبہ سورہ یسین اور سورہ تبارک الہمی پڑھی اور گڑ گڑا کر عرض کی اے میرے رب! اس صورتِ حال کو منکشف فرمادے جو میں نے دیکھی ہے کیوں کہ مجھے اپنی عقل اور دین کا خطرہ ہے اچانک قبر شق ہو گئی اور ایک شخص نکل کر بھاگ کھڑا ہوا، میں نے اسے پکارا اے بندہ خدا! تجھے تیرے رب کی قسم، ٹھہر جا حتیٰ کہ تجھ سے سوال کر سکوں، وہ نہ ٹھہرا تو میں نے دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ پکارا تو اس نے مڑ کر دیکھا اور کہا: تو نصر صانع ہے؟ میں نے کہا ہاں پھر اس نے کہا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ میں نے کہا نہیں اس نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے دو فرشتے ہیں، ہمیں اہل سنت پر مقرر کیا گیا ہے۔ جب انہیں قبر میں رکھا جاتا ہے تو ہم انہیں قبر میں آکر حجت کی تلقین کرتے ہیں، یہ کہا اور غائب ہو گیا۔

اہل سنت کو فرشتے قبر میں تلقین حجت کرتے ہیں

امام یافعی، روض الریاحین میں بعض اولیاء سے حکایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ

سے دُعا مانگی کہ مجھے اہل قبور کے مراتب دکھائے میں نے ایک ات
 دیکھا کہ قبریں شق ہو گئیں، ان میں سے کوئی چار پائی پر کوئی رشیم
 اور دیباچ پر، کوئی گلِ ریحان پر اور کوئی تخت پر محوِ استراحت تھا۔
 کوئی رو رہا تھا اور کوئی سنس رہا تھا، میں نے کہا اے رب! اگر تو
 انہیں یکساں عزت عطا کر دیتا، اہل قبور میں کسی پکارنے والے نے کہا
 اے بندۂ خدا! یہ ان کے دنیاوی اعمال کا نمونہ ہے۔ تخت والے ہوش
 اخلاق ہیں، رشیم اور دیباچ والے شہداء ہیں گلِ ریحان والے روزہ دار
 ہیں، رونے والے گنہگار ہیں اور ہنسنے والے اہل توبہ ہیں۔“

امام یا فعی فرماتے ہیں :

میت کو خیر یا شر میں دیکھنا، کشف کی ایک قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ خوشخبری نصحت
 یا میت کی بہتری یا اعطاءِ خیر یا قرض کی ادائیگی وغیرہ امور کے لئے ظاہر فرماتا
 ہے۔ یہ رؤیت عام طور پر نیند میں ہوتی ہے اور کبھی بیداری میں بھی ہوتی ہے
 اور یہ اصحابِ حال اولیاء کی کرامات سے ہے۔
 کفایت المتقدمات میں ہے۔

ہمیں بعض بندگانِ خدا نے بعض صالحین سے بیان کیا کہ وہ بعض اوقات اپنے
 والد کی قبر پر جاتے تھے اور ان سے گفتگو کرتے تھے۔“

امام لالکانی: السنۃ میں یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ایک گورکن
 نے بتایا کہ میں نے اس قبرستان میں عجیب ترین بات یہ دیکھی کہ مؤذن اذان
 دے رہا تھا اور ایک قبر والا اس کا جواب دے رہا تھا۔

امام ابو نعیم، علیہ السلام میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت نقل کرتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ وعدہ لا شریک کی قسم! میں نے اور حمید طویل نے ثابت بنانی کو لحد

میں اتارا تھا۔ جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ دعا کیا کرتے تھے،

اے اللہ! اگر تو نے کسی مخلوق کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت عطا فرما، اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد فرما دے۔

امام ترمذی، امام حاکم اور امام بیہقی راوی ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگالیا، انہیں پتہ نہیں تھا کہ یہ قبر ہے انہوں نے کسی انسان کو قبر میں سورہ ملک آخر تک پڑھتے ہوئے سنا، وہ صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ عرض کیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (سورہ ملک) عذاب کو روکنے والی اور نجات دینے والی ہے یہ اسے عذاب سے نجات دے گی۔

ابوالقاسم سعدی کتاب الافصاح میں فرماتے ہیں۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تصدیق ہے اس امر کی کہ صاحب قبر، قبر میں قرآن پاک پڑھتا ہے کیونکہ عبد اللہ نے اس واقعہ کی اطلاع دی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ابن مندہ حضرت طلحہ سے انہوں نے حضرت عبید اللہ سے روایت کی،

میں "غابہ" میں اپنے ماں کے پاس گیا تو مجھے رات نے آیا، میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن زامی قبر کے پاس پناہ لی، میں نے قبر سے قرأت سنی جس سے بہتر میں نے نہیں سنی۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر ماجرا ذکر کیا تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ عبد اللہ ہے تمہیں پتہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رُوحوں کو قبض فرما کر زبرد اور یا قوت کی قندیلوں میں رکھا، پھر ان قندیلوں کو جنت کے وسط میں معلق فرمایا، جب رات ہوتی ہے تو انکی رُوحیں ان کی جانب لوٹا دی جاتی ہیں، وہ تمام رات یہیں رہتی ہیں حتیٰ کہ

جب فجر طلوع ہوتی ہے تو رومی اپنے مقام کی جانب واپس کر دی باقی ہیں۔

امام ابو نعیم، علیہ السلام میں ابراہیم سے راوی ہیں کہ مہلبی فرماتے ہیں،

مجھے ان لوگوں نے بیان کیا جو سمری کے وقت مصر کے پاس سے گزرتے تھے جب ہم حضرت ثابت بنانی کی قبر کے پاس سے گزرتے تو قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنتے تھے۔

ابن مندہ سلمہ ابن شیبہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے ابو حاد گورکن

سے سنا وہ معتد علیہ اور نیک آدمی تھا اُس نے کہا

میں جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قبرستان میں گیا، جس قبر کے پاس سے گزرا، اسی

سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی۔

ابن مندہ، عاصم سقلی سے راوی ہیں کہ

ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی تو ساتھ والی قبر میں سوراخ ہو گیا، میں نے دیکھا کہ ایک معمر شخص

قبر رخ بیٹھا ہوا ہے اس نے بستر بند زیب تن کیا ہوا ہے۔ اور اسکے ارد گرد سبزہ زار

ہے۔ اس کی آغوش میں قرآن پاک رکھا ہے جسے وہ پڑھ رہا ہے۔

ابن مندہ ابونصر نیشاپوری گورکن روہ نیک اور متقی تھا سے راوی ہیں کہ میں نے

ایک قبر کھودی تو اس کے پہلو میں دوسری قبر کھل گئی میں نے وہاں ایک خوبصورت

بہترین لباس والے پاکیزہ بونو جوان کو پالتی مارے ہوئے بیٹھے دیکھا، اس کی آغوش

میں انتہائی خوشخط قرآن پاک رکھا ہوا تھا جسے وہ پڑھ رہا تھا، اس جوان نے میری

طرف دیکھ کر پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی؟ میں نے کہا نہیں اس نے کہا ایٹ اس کی

جگہ رکھ دو، چنانچہ میں نے ایٹ اس جگہ رکھ دی۔

سہیلی نے دلائل النبوة میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا کہ انہوں

نے ایک جگہ قبر کھودی تو وہاں ایک دریچہ کھل گیا، وہاں ایک شخص تخت پر موجود

تھا اس کے سامنے قرآن پاک تھا جسے وہ پڑھ رہا تھا، اس کے سامنے سرسبز باغ

تھا، یہ واقعہ احد میں پیش آیا معلوم ہوا کہ وہ شہداء میں سے ہے کیونکہ اس کے چہرے کی ایک جانب زخم تھا، اس روایت کو ابو حیان نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

امام یافعی، روض الریاحین میں بعض صالحین سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے ایک عابد کے لئے قبر کھودی اور اس کی لحد تیار کی میں لحد درست کر رہا تھا کہ ایک بوسیدہ لحد سے کچی اینٹ گر گئی میں نے دیکھا تو ایک بزرگ قبر میں بیٹھا ہوا ہے، اس کے سفید کپڑے سرسرا رہے تھے اس کی گود میں سونے کا قرآن پاک سہرے حروف سے لکھا ہوا رکھا تھا اور وہ اسے پڑھ رہا تھا اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا اینٹ اسی جگہ رکھ دو، چنانچہ میں نے اسی جگہ رکھ دی۔

امام یافعی فرماتے ہیں ہمیں بعض ثقہ حضرات کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہوں نے ایک قبر کھودی تو انہیں ایک انسان دکھائی دیا جو تخت پر جلوہ گر قرآن پاک پڑھ رہا تھا اور اس کے تیجے نہر بہ رہی تھی، یہ دیکھتے ہی ان پر بیہوشی طاری ہو گئی انہیں قبر سے نکال لیا گیا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ انہیں کیا ہوا ہے، تیسرے دن انہیں کہیں ہوش آیا۔

سعید بن منصور، حضرت اہلبان بن صفی غفاری، صحابی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت عدیہ سے روایت کرتے ہیں کہ

ہمارے والد نے ہمیں وصیت کی کہ ہم انہیں قمیص میں کفن دیں، دفن سے دوسری صبح ہم نے دیکھا کہ وہ قمیص ہمارے پاس تھی جس میں ہم نے انہیں دفن کیا تھا۔

ابن ابی الدنیا، کتاب المناجات میں ایسی سند سے جس میں کچھ حرج نہیں، راشد بن سعد

کی مرسل روایت بیان کرتے ہیں۔

ایک شخص کی اہلیہ فوت ہو گئی، اس نے خواب میں کچھ عورتیں دیکھیں جن میں اس کی اہلیہ نہ تھی، اس نے ان سے اپنی اہلیہ کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: تم نے اس کے کفن میں کوتاہی کی وہ ہمارے ساتھ نکلے ہوئے شرماتی ہے، وہ شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض پروا نہ ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا کوئی شخص قریب المرگ مل سکتا ہے؟ وہ شخص ایک انصاری کے پاس گیا جو قریب الوفات تھا اور اسے صورتحال بیان کی، انصاری نے کہا اگر کوئی مردوں کو پہنچا سکتا ہے تو میں بھی پہنچا دوں گا، انصاری فوت ہوا تو وہ شخص زعفران سے رنگے ہوئے دو کپڑے لایا اور انصاری کے کفن میں رکھ دئے رات ہوئی تو وہ عورتیں آئیں ان کے ساتھ اس شخص کی اہلیہ بھی تھی، اس نے وہی دو زرد رنگ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حضرت شیخ شعراوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ”طبقات الاخیار“ میں حضرت شیخ احمد بدوی کے تعارف میں فرماتے ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دیرینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب سیدی احمد بدوی کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے: وہ سمندر ہیں جن کی گہرائی معلوم نہیں کی جاسکتی، فرنگیوں کے شہروں سے ان کا قیدیوں کو لانا، ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے لوگوں کو رہائی دلانا، ڈاکوؤں اور پناہ مانگنے والوں کے درمیان حائل ہونا ایسے واقعات ہیں جن کا اعاطہ کئی دفتر بھی نہیں کر سکتے، میں کہتا ہوں، میں نے خود اپنی آنکھوں سے ۹۲۵ھ میں ایک قیدی حضرت سید عبدالعال کے منارہ پر قید میں دیکھا اس کے

گلے میں طوق تھا اور وہ منجھوٹا لٹھا تھا میں نے اس بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے کہا :

میں فرنگیوں کے شہروں میں قید تھا۔ میں رات کے آخری حصے میں سیدی احمد کی طرف متوجہ ہوا تو ناگاہ وہ میرے سامنے تھے، انہوں نے مجھے پکڑ کر ہوا میں پرواز کی اور مجھے یہاں چھوڑ دیا۔ وہ دو دن اس حال میں رہا کہ پرواز کی تیزی کے سبب اس کا سر چکراتا رہا۔ (انتہی) ،

ان تمام امور سے کرامت بعد از وصال کا صریح ثبوت ملتا ہے اور یہ امر فی نفسہ حق ہے اس میں وہی شک کرے گا جس کا ایمان ناقص ہو، بصیرت منٹ چکی ہو، فضل الہی کے دروازے سے مردود ہو، اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے تعصب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے اولیاء کرام کی مخالفت کے بھنور میں ڈال دیا ہو، اللہ تعالیٰ نے اسکی اہانت فرمائی ہو اس پر غضب فرمایا ہو اور اسے شیطان کے سپرد کر دیا ہے۔ شیطان اس کے ساتھ کھیلتا ہے اور محبوبانِ خدا کا بغض اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اسے بزرگانِ دین ان کی کرامات اور قبور کی توہینا و بے ادبی پر اکساتا ہے حالانکہ جس نے علم کلام اور علم توحید پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ موت کے بعد ارواح کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے باوجودیکہ ارواح اپنے مقام پر ہوتی ہیں جس طرح سورج کی شعاعیں زمین تک پہنچتی ہیں، اس بنا پر مومنوں کی قبروں کا احترام واجب ہے۔

امام جلال الدین سیوطی اپنی تصنیف "بشری الکتب بلقاء الجیب" میں فرماتے ہیں کہ امام یافعی نے فرمایا :

اہل سنت کا مذہب ہے کہ فوت شدہ لوگوں کی روحیں بعض اوقات علیین یا سجدین سے قبروں میں ان کے جسموں کی طرف لوٹانی جاتی ہیں

لے و نعم یقیناً چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد۔ میلس اندر طبعہ پاکاں کند

خاص طور پر جمعہ کی رات، وہ نل بیٹھتے ہیں گفتگو کرتے ہیں، اہل نعمت، نعمتیں پاتے ہیں اور اہل عذاب، عذاب بھیتے ہیں، علیتیں اور سبحان میں میں انعام یا عذاب صرف روحوں کو ملتا ہے جسموں کو نہیں، قبر میں دونوں شریک ہوتے ہیں (نتہی)

اہم نسفی کی تالیف "بحرالکلام" سے پتہ چلتا ہے کہ موت کے بعد قبروں میں ارواح کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے، "عذاب القبر" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں سوال: گوشت کو کس طرح تکلیف دی جاتی ہے؟ حالانکہ اس میں روح نہیں ہوتی۔

جواب:۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جس طرح تیرے دانت کو تکلیف ہوتی ہے اگرچہ اس میں روح نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ اگرچہ دانت میں روح نہیں ہے لیکن گوشت سے متصل ہونے کے سبب اس میں تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح موت کے بعد چونکہ روح کا تعلق جسم سے ہے اس لئے جسم کو تکلیف ہوتی ہے (انتہی)

یہ اس بات کی تصریح ہے کہ مردوں کی روحوں کا ان جسموں سے ایک تعلق ہے جو قبروں میں ہیں اگرچہ گل کر مٹی ہو جائیں، اسی لئے شریعت مبارکہ نے قبروں کے احترام کا حکم دیا ہے جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اہل ایمان کے لئے اولیاء اکرام کی قبروں کا احترام، ان کی تعظیم اور زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنا کس طرح نامناسب ہوگا جبکہ وہ جانتے ہیں کہ ارواح کاملہ فاضلہ ان طیب و طاہر جسموں سے متعلق ہیں اگرچہ وہ مٹی ہو چکے ہوں جیسے کہ احادیث نبویہ کا مقتضی ہے۔

میری رائے میں وہ منکر جاہل ہے اپنی جہالت کی بنا پر سمجھتا ہے کہ ارواح وہ اعراض

ہیں جو موت سے زائل ہو جاتے ہیں جس طرح حرکت اموات افعال و حرکات سے زائل ہو جاتے ہیں جیسے کہ بعض گمراہ فرقوں کا مذہب ہے، ان کا گمان ہے کہ اولیاء بعد از وصال مٹی ہو کر زمین کی مٹی سے مل جاتے ہیں ان کی رو میں چلی جاتی ہیں لہذا ان کی قبروں کی کوئی عزت نہیں ہے، اسی لئے مزارات کی توہین و تحقیر کرتے ہیں، ان کی زیارت کرنے والوں اور ان سے برکت حاصل کرنے والوں پر انکار کرتے ہیں، حتیٰ کہ ایک دن میں نے اپنے کانوں سے سنا جب کہ میں شیخ ارسلان دمشقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارات کی زیارت کرنے جا رہا تھا ایک شخص کہہ رہا تھا۔

”تم مٹی کی کیسے زیارت کرتے ہو؟ یہ تو بیوقوفی ہے“ مجھے انتہائی

تعجب ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا: یہ کسی مسلمان کا قول نہیں ہو

سکتا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا، اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مردوں کی رو میں اپنی قبروں میں راحت و سکون حاصل کرتی ہیں یا مبتلائے عذاب ہیں اس طرح کہ ارواح کا ان بوسیدہ اجسام سے تعلق ہے جو دنیا سے نکلے تو ایمان اور طاعت کی بدولت پاکیزہ تھے یا کفر اور معصیت سے لوث تھے، اس وقت مومنوں کی قبریں لائق احترام، مستحق تعظیم و توقیر ہیں جس طرح وہ پہلے زندگی میں محترم اور مکرم تھے فقہاء کی تصریح ہے کہ جو عالم دین

سے حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی اولیاء کے بارے میں ایسا کہنے والوں کو ”گمراہ فرقہ“ قرار دے رہے

ہیں تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ایسے کلمات کہنے والوں کے متعلق علامہ کا کیا فتویٰ ہوگا!

مولوی اسماعیل دہلوی نے بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف غلط نسبت کر کے کہہ دیا کہ میں بھی

ایک دن مکر مٹی میں ملنے والا ہوں (معاذ اللہ)

(تقویۃ الایمان)

کو حقیر جانے یا اس سے بغض رکھے اس پر کفر کا خوف ہے۔

تعظیم و توقیر کے اعتبار سے زندوں اور مردوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ زندہ اور مردہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں کسی کو کسی شے میں تاثیر ایجادی نہیں ہے ہر حال میں مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے زندہ اور مردے تاثیر نہ کرنے میں یقیناً برابر ہیں لیکن احترام سب کا لازم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَاَنْهَاهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

اور جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے شعائر (نشان) وہ اشیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پتہ دیتی ہیں، مثلاً علماء اور صالحین زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔

بندگاہ خدا کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا، ان کے لئے لکڑی کے تابوت تیار کرنا بھی ان کی تعظیم میں داخل ہے تاکہ عوام الناس انہیں بے ادبی کی نگاہ سے نہ دیکھیں، یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے جیسے فقہار نے فرمایا کہ بڑا عمامہ اور کھلے کپڑے استعمال کرنا اگرچہ بدعت ہے سلف صالحین اس پر عمل پیرا نہ تھے، تاہم علماء کے لئے جائز ہے تاکہ عوام ان کا احترام کریں اور بے ادبی سے پیش نہ آئیں۔

جامع الفتاویٰ میں "قبر پر تعمیر" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں مکروہ نہیں ہے جب کہ میت مشائخ، علماء اور سادات سے ہو۔

مضمرات میں ہے۔ شیخ ابوبکر محمد بن فضل فرمایا کرتے تھے ہمارے علاقوں میں پختہ اینٹ استعمال کرنے میں عرج نہیں اور یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ لکڑی کا صندوق استعمال کرنا جائز ہے۔

اہم ترمناشی فرماتے ہیں۔ اختلاف اس وقت ہے جب میت کے گرد

ہو، اگر میت سے اُپر ہو تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ درندوں سے بچاؤ کی صورت ہے جیسے کچی اینٹ سے قبر کی کوہان بنانا رائج ہے تاکہ کھودنے سے محفوظ رہے اور اسے اہل علم نے حسن قرار دیا ہے۔
تنویر الابصار میں ہے۔

قبر پر عمارت نہ بنانی جائے، بعض اہل علم نے فرمایا اس میں حرج نہیں ہے اور یہی مختار ہے، امام زلیعی شرح کنز میں فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ لکھنے اور پتھر رکھنے میں حرج نہیں تاکہ علامت رہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر پتھر رکھا۔ (انتہی)

فقہاء نے صالحین اور اولیاء کی قبروں پر پردے ڈالنا عمامے اور کپڑے رکھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ فتاویٰ الحجہ میں ہے قبروں پر پردے معلق کرنا مکروہ ہے، لیکن ہم اس وقت کہتے ہیں کہ اگر اس سے عوام کی نظروں میں تعظیم مقصود ہوتا کہ اس قبر والے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں جس پر کپڑے اور عمامے رکھے گئے ہیں اور یہ مقصد ہو کہ غفلت شعار زائرین کے دلوں میں ادب و احترام پیدا ہو کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولیاء کرام کی روحیں ان کے مزارات کے پاس جلوہ افروز ہوتی ہیں اور عوام کے دل ان قبروں میں مدفون اولیاء کرام کے ادب و احترام سے (ان کا مقام نہ جاننے کے سبب) خالی ہوتے ہیں تو یہ امر جائز ہے۔ اس سے روکنا مناسب نہیں کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے اسی امر کا ثواب ہے جس کی وہ نیت کرے، یہ اگرچہ بدعت ہے سلف صالحین اس طریقہ پر نہ تھے لیکن یہ ایسے ہی ہے جیسے فقہاء کتاب الحجہ میں فرماتے ہیں کہ طوافِ وداع کے بعد اٹے پاؤں لوٹے یہاں تک کہ مسجد سے نکل جائے،

اس میں بیت اللہ شریف کی تعظیم و تکریم ہے منہج السالک میں ہے۔
یہ جو لوگوں کا معمول ہے کہ وداع کے بعد اٹے پاؤں لوٹتے ہیں
اس سلسلے میں نہ تو کوئی سنت مروی نہ اثر صحابہ، حالانکہ ہمارے صحابہ

کا یہی طریقہ ہے۔ (انتہی)

یہ بیت اللہ شریف کی تعظیم ہے حالانکہ وہ پتھر ہے، اولیاء کرام بلاشبہ اس
سے افضل ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مکلف ہیں بیت اللہ شریف
مکلف نہیں اس لئے کہ اس کی عبادت بغیر تکلیف کے ہے اولیاء کرام اگرچہ وفات
پا چکے ہوں اور میت جماد کی طرح ہے تاہم احترام سب کا لازم ہے۔

بیت اللہ شریف کو غلاف پہنانا جائز ہے، یہاں تک کہ علماء فرماتے کعبۃ اللہ
کو ریشم سے ڈھانپنا جائز ہے، صالحین اور اولیاء کی قبریں گو کعبہ نہیں ہیں اور نہ احکام
میں کعبہ کی مانند ہیں لیکن محترم ضرور ہیں، کیونکہ بیت اللہ شریف اگرچہ پتھر ہے ہمیں (نماز
میں) اس کی طرف متوجہ ہونے، اس کا طواف کرنے، اس کی تعظیم و احترام کا حکم
دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے بطور تکلیف ہمیں اس کا مکلف فرمایا ہے ورنہ تو وہ پتھروں
کا مجموعہ ہے، اور جو شخص خود بیت اللہ شریف کو سجدہ کرے گا وہ بت پرست ہوگا،
اللہ تعالیٰ سے کفر کرے گا، اسی لئے یتیمانہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوران
طواف حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا: میں جانتا ہوں کہ تو (بذاتہ) نفع اور نقصان
نہیں دے سکتا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے
نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ علماء فرماتے ہیں اس کا سبب یہ تھا کہ انہیں
جاہلیت کا وہ دور یاد آ گیا تھا جب بیت اللہ شریف کے گرد بت رکھے جاتے تھے
اور انہیں سجدہ کیا جاتا تھا آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کوئی یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ حجر اسود
کو بوسہ دینا ایک طرح سے جاہلیت کی مشابہت ہے تو انہوں نے وہ کچھ کہا جو ابھی گزرا۔

ہم نے خواص و عوام میں سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ مزارات اولیاء کے بارے میں اس کا یہ گمان ہو کہ وہ کعبہ ہیں ان کا طواف صحیح ہے یا ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے، حتیٰ کہ ہمیں ان پر کسی قسم کا خوف ہو، تمام عوام جانتے ہیں کہ قبلہ صرف کعبہ شریف ہے اور وہ مکہ مکرمہ میں ہے، بایں ہمہ وہ ان مزارات کا بہت ہی احترام کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس کے محبوبین اور برگزیدہ بندوں کے مزارات ہیں، عامۃ الناس کے احوال سے ہمیں اتنی مقدار کا ہی علم ہے اور مومن، مومنوں کے بارے میں بھلائی کے سوا کوئی گمان نہیں کر سکتا۔

اہم سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جامع صغیر میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "حسن ظن، حسن عبادت سے ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

أثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضًا (الآیت)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک کچھ گمان گناہ

ہیں اور دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو، اور ایک دوسرے کی غیبت

نہ کرو۔"

عامۃ المسلمین کے متعلق کمال حسن ظن لازم ہے۔ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے حالانکہ آپ اللہ کی اطلاع سے جانتے کہ ان میں سے بعض منافق ہیں جو ایمان ظاہر کرتے ہیں اور کفر و انکار چھپاتے ہیں، اس کے باوجود آپ تمام کے ساتھ مومنوں والا معاملہ فرماتے تھے کیونکہ آپ ظاہر پر حکم کرنے کے لئے آئے تھے، مخفی امور اللہ تعالیٰ کے سپرد تھے، جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی

وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں، جب وہ کلمہ اسلام پڑھ لیں گے تو مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے مگر وہ جن کا تعلق ان کے داماد اور اموال کے حق سے ہے (قصاص اور زکوٰۃ وغیرہ) اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔“

مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ ہر اس نو پیدا امر پر انکار کرے جو صدرِ اول میں نہیں تھا جب تک اس کی قباحت پر مطلع نہ ہو جائے یا جب تک معلوم نہ ہو کہ اس کا کرنے والا ایسے طریقہ پر کر رہا ہے جو دین محمدی کے مقصود کے خلاف ہے، کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اسے اس کا ثواب ہوگا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہوگا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان امور کو سنت فرمایا ہے جنہیں امت آپ کے بعد ایجاد کرے گی بشرطیکہ مقصود شریعت کے خلاف نہ ہوں، حالانکہ ان کا وجود آپ کے زمانہ میں نہ تھا، بنا بریں بدعت حسنہ جو مقصود شریعت کے موافق ہو تو وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سنت کہلائے گی۔

اسی نوع سے زیارة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بحث میں فقہاء کا یہ قول ہے یہ جو بعض لوگوں کا دستور ہے کہ مدینہ طیبہ کے قریب اتر کر پیدل مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے ہیں حسن ہے اور ہر وہ فعل جو ادب اور تعظیم میں زیادہ دخل رکھتا ہے حسن ہے جیسے میرے والد ماجد نے شرح درر کی کتاب الحج کے حاشیہ میں فرمایا ہے۔

اسی پر قیاس کیا جائیگا اولیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس شمع اور کندیلیں روشن کرنا

۱۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بریق المنار بشعوع المزار تحریر فرمایا ہے۔

جس میں اس مسئلہ کو پورے شرح و بسط سے بیان کیا ہے ۱۲ شرف قادری

یہ بھی اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم میں داخل ہے، اس میں مقصد بہر حال بہتر ہے خاص طور پر اس وقت جب اس ولی کے فقرا و خدمت گار ہوں انہیں قرآن پاک پڑھنے تسبیح اور تہجد کے لئے چراغ جلانے کی ضرورت ہوگی، اگرچہ فقہاء نے قبروں کے پاس نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب قبر سے دور تیار شدہ مقام کے علاوہ پڑھی جائے (مثلاً قبر کے سامنے کھڑے ہو کر) والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح درر کے حاشیہ میں فرمایا:

قبرستان میں نماز یہود کی مشابہت کی بنا پر مکروہ ہے اور اگر قبرستان میں ایسی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہے جہاں قبر نہیں ہے اور نہ نجاست ہے تو کچھ حرج نہیں جیسے نقادوں کا خیال ہے، الحادی میں ہے کہ اگر قبریں نمازی کے پیچھے ہیں تو مکروہ نہیں، اور اگر نمازی اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرے تو مکروہ نہ ہو تو بھی نماز مکروہ نہ ہوگی (انتہی)

قبروں پر دونوں ہاتھ رکھنا اور اولیاء کرام کی ارواح کے مواضع سے برکت طلب کرنا اس میں بھی حرج نہیں ہے، جامع النقاد میں ہے۔

قبروں پر ہاتھ رکھنا نہ سنت ہے نہ مستحب، لیکن ہم اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے (انتہی)

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اگر مقصد خیر ہے تو یہ فعل بھی خیر ہوگا، دلوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔

اولیاء کرام کے لئے بہ طور محبت و تعظیم، زیتون کے تیل یا شمع کی نذر ماننا فی الجملہ جائز ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ ذمی زیتون کا تیل، بیت المقدس کے چراغ میں جلانے کے لئے وقف کرتا ہے تو صحیح ہے کیونکہ یہ ہمارے اور ان کے نزدیک

عبادت ہے امام خصاف کی کتاب الاوقاف میں وقف ذمی کی بحث میں ہے کہ:
 اگر ذمی کہے کہ میری زمین وقف ہے جس کی پیداوار بیت المقدس
 کے چراغ کے تیل کے لئے صرف ہوگی، یہ جائز ہے کیونکہ یہ ہمارے
 اور ان کے نزدیک اتفاقاً عبادت ہے (انتہی)

بیت المقدس ایک مقدس مسجد ہے اُس میں چراغ جلانا اس کی تعظیم ہے اسی طرح
 صالحین اور اولیاء مقربین کے مزارات مقدس ہیں

اسی طرح درہم و دینار (روپے پیسے) اولیاء کرام کی نذر کرنا فی نفسہ
 جائز ہے تاکہ ان کے مزارات کے پاس رہنے والے فقراء پر صرف کئے جائیں کیونکہ
 نذر سے مجازاً عطیہ مراد ہے جس طرح فقہاء فرماتے ہیں: فقراء کے لئے ہبہ، صدقہ ہے
 دینے والا اسے واپس نہیں لے سکتا، اغنیاء کو صدقہ دیا جائے تو وہ ہبہ ہوگا دینے
 والا واپس لے سکتا ہے۔ دراصل اعتبار مقاصد شرع کا ہے الفاظ کا نہیں، نذر اللہ تعالیٰ
 کے لئے مخصوص ہے، جب اسے اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کے لئے استعمال کیا جائے
 مثلاً ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دیدی تو تیرے
 لئے مجھ پر دس درہم ہیں پھر کہتا ہے میں نے فلاں کے لئے اتنے کی نذر مانی ہے تو یہ
 اس شخص کے لئے وعدہ ہوگا، اگر وہ آدمی مالدار ہے تو نذر سے مجازاً ہبہ مراد ہوگا اور
 اگر فقیر ہے تو صدقہ مراد ہوگا، کبھی انسان کسی ذمی کافر کے لئے کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے
 میرے مریض کو شفا عطا فرمادی تو تیرے لئے مجھ پر سو درہم ہیں مثلاً، تو یہ کہنے سے گنہگار
 نہ ہوگا اور یہ صدقہ ہوگا کیونکہ زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ اہل ذمہ فقیروں پر صرف کرنا جائز ہے،

۱۰ بعض مزارات پر بجلی کا معقول انتظام ہوتا ہے اس کے باوجود بے تحاشا موم جیاں جلائی جاتی ہیں یہ سراسر

اسراف ہے اس سے منع کرنا چاہیے ۱۲ شرف قادری

جس طرح فقہاء نے اپنی تصانیف میں بیان کیا، اگر کوئی شخص ولی کی وفات کے بعد یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی تو آپ کے لئے میرے ذمہ سو درہم ہے تو اسے کوئی عقلمند حرام نہیں کہہ سکتا، حالانکہ اولیاء کرام اگرچہ وصال فرما چکے ہوں، اس سلسلے میں دوسروں سے اولیٰ ہیں، کیونکہ کہنے والا جانتا ہے کہ یہ رقم اس ولی کے خادم اور پاس رہنے والے فقراء کی ضروریات پر صرف کی جائے گی، لہذا اس قائل کا یہ کہنا لینے والوں کے لئے وعدہ، عطیہ اور اباحت قرار دیا جائیگا کیونکہ مومن کا قول حتیٰ الامکان صحیح صورت پر محمول کیا جائے گا۔

بعض لوگوں کا بغیر کسی دلیل قطعی کے ان امور کو حرام قرار دینا اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا اور اس کا خوف نہیں ہے، کیونکہ ممانعت میں حرام کی وہی حیثیت ہے جو امر میں فرض کی حیثیت ہے، ہر ایک کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک کی آیت ہوسنت متواترہ ہو، معتبر اجماع ہو یا مجتہد کا قیاس ہو کیونکہ ایسے مقلدین کا قیاس معتبر نہیں ہے جن میں اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کردہ شرائط اجتہاد موجود نہ ہوں۔

بعض فریب خوردہ لوگوں کا یہ کہنا کہ عوام جب کسی ولی کے معتقد ہوں گے، اس کے مزار کی تعظیم کریں گے اور اس سے برکت و امداد طلب کریں گے تو ہمیں خوف ہے کہ وہ یہ اعتقاد کر لیں گے کہ اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایجاد و تخلیق میں دخل ہے اس طرح وہ کفر اور شرک میں واقع ہو جائیں گے اس لئے ہم انہیں ایسی باتوں سے روکتے ہیں، اولیاء کے مزارات منہدم کرتے ہیں ان پر بنائی ہوئی عمارتیں گراتے ہیں، ان کے پر سے اتارتے ہیں اور کھلم کھلا اولیاء کی توہین کرتے ہیں، تاکہ عوام جاہل جان لیں کہ اگر اولیاء اللہ تعالیٰ کے علاوہ وجود میں مؤثر ہوتے تو ہم جو ان کی توہین کرتے ہیں اس کا دفاع کر سکتے، تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ یہ فعل صریح کفر ہے، قرآن مجید میں فرعون

کے نقل کردہ قول کے مماثل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وقال فرعون ذروني اقتل موسى وليدع ربه اني اخاف ان

يبدل دينكم او ان يحدث في الامراض الفساد (الآيت)

فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے دو، انہیں چاہیے کہ اپنے رب کو بلائیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل نہ کر دیں یا زمین میں فساد پیدا نہ کر دیں۔

اسی طرح یہ مبتلائے فریب جنہیں ابھی تک کامل یقین نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ، اولیاء کرام کو محبوب رکھتا ہے اور ان کی زندگی میں ان کے ہاتھوں پر تمام وہ امور پیدا فرماتا ہے جو مقدر ہو چکے ہیں کہ اولیاء کرام ان کا ارادہ کریں گے بشرطیکہ مخالف شریعت نہ ہوں، اور ان کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام وہ غیر معمولی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جن کا ارادہ ان کی خدا داد روحیں کرتی ہیں، گویا ان لوگوں کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ ایمان حق ہے اور اللہ کے نزدیک نجات دینے والا ہے۔ ان لوگوں کے دل شکوک و شبہات، اوہام و تخیرات اور گمراہی سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے حتیٰ کہ حق و باطل کے درمیان فرق نہیں کر سکتے، جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اگر ان لوگوں کو عامۃ المسلمین پر کفر و شرک میں واقع ہونے کا واقعی خوف ہوتا تو انہیں عقائد و توحید کے احکام سکھاتے، اور نزاع و جدال کے بغیر انہیں قطعی دلائل و براہین سکھاتے، اور انہیں عقائد کے سمجھنے اور فضائل میں غور و فکر پر آمادہ کرتے اور اس سلسلے میں ان پر پوری سختی کرتے، کیونکہ عوام الناس کے دلوں میں جب یہ بات بیٹھ جائے گی کہ فاعل (حقیقی) صرف ایک ذات ہے اس کے علاوہ کوئی مؤثر حقیقی

نہیں تو ان کا خیال بھی اس طرف نہیں جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی مؤثر ہے اور وہ یقین رکھیں گے کہ تمام مخلوق اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، فتنے اور حیرتیں، لیے اسباب ہیں جن کے ذریعے اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللہ من وراہم محیط

یعنی اللہ تعالیٰ تمام محسوسات اور معقولات کو محیط ہے، مقصد یہ ہے کہ کوئی شے اس کے مشابہ نہیں اور وہ کسی کے مشابہ نہیں ہے۔

بالفرض اگر عوام الناس کی وہی مراد ہے جو ذکر کی گئی ہے تو محض عوام کی گمراہی کے ڈر کی بنا پر اولیاء و مقربین کے قبوں کو شہید کرنا، عوام کی نگاہوں میں ان کے مزارات کی توہین اور ان کے احترام کے پیش نظر لگائے گئے پرووں کو بھاڑنے سے اولیاء کے حق میں اللہ کی حرمتوں کی توہین کس طرح جائز ہوگی؟ (یہ بھی سوچنا چاہیے کہ، عوام کے حق میں بدگمانی کا کیا جواز ہوگا حالانکہ نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح کرتے تھے اور نہ صحابہ کرام، کیونکہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی حرام ہے جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

کسی معین بزرگ کی عقیدت، ان کی طرف نسبت اور ان کے مخصوص طریقے پر چلنا اہم مقصد ہے کیونکہ جس طرح ظاہری اعمال میں مقلد اگر محبت نہیں ہے تو اسے کسی مخصوص مذہب پر چلنے کی ضرورت ہے مثلاً حنفی امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید کرتا ہے اور شافعی امام شافعی کی تقلید کرتا ہے وغیر ذلک اسی طرح ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے والے راستے پر چلنے کے لئے خاص شیخ (بزرگ) کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس شیخ کی محبت و عقیدت کے واسطے اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکت اور امداد اس شخص کو حاصل ہو، جس طرح شیخ کی حیات ظاہری میں ان کے خادم، معتقد اور ان سے مدد مانگنے والے کو برکت

پہنچتی ہے اسی طرح جب شیخ وصال کے بعد قبر میں آرام فرما ہو دبرکت پہنچتی ہے کیونکہ
درحقیقت مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے، شیخ زندہ ہوں یا وصال فرما چکے ہوں، ان سے
استمداد میں کوئی فرق نہیں ہے، جبکہ یہ جان لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تاثیر میں شریک
نہیں ہیں۔ کیونکہ مرید صادق جب صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے شیخ حیات ہوں یا وصال
فرما چکے ہوں کے واسطے سے کہ وہ ایک سبب ہیں مدد طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے
یقیناً ناکام نہیں فرماتا کیونکہ مرشد کامل زندہ ہوں تو ان کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی
تاثیر سے مرید کو اللہ تعالیٰ تک پہنچادیں، پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے البتہ مرشد
سبب ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو امت کے سب سے
بڑے مرشد ہیں فرمایا:

انك لا تهدي من اجبت ولكن الله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم
بے شک اے حبیب! آپ بذات خود جسے پسند کریں منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے
لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے۔
اور یہ بھی فرمایا:-

ليس لك من الامر شيء - اے حبیب! آپ کو تخلیق کا کچھ اختیار نہیں، (یعنی مؤثر صرف
اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑے سبب ہیں،
ہمارے مقتدا، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں وہ
راہبر جن سے میں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نفع حاصل کیا ان میں سے
ایک وہ پر نالہ تھا جو میں نے "فاس" شہر میں ایک دیوار میں دیکھا تھا جس سے
چھت کا پانی نیچے گرتا تھا، میں نے اس سے بھی راہنمائی حاصل کی (یعنی تمام
مخلوق وسائل اور اسباب کی حیثیت رکھتی ہے تمام نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ
کی طرف سے ہے، ان کے راہنماؤں میں سے ان کا سایہ بھی جو ان کی ذات سے

م شروع ہو کر دور تک پھیل جاتا تھا (یعنی سائے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں وہ تو صرف صاحب سایہ کا عکس ہے، اسی طرح انسان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں وہ تو صرف صاحب سایہ کا عکس ہے، اسی طرح انسان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے، ایسی ہی اور مثالیں انہوں نے اپنی کتاب رُوح القدس میں بیان کی ہیں۔ کیا یہ حضرات اولیاء کرام پر نالے اور سائے سے اعلیٰ نہیں ہیں جن سے شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طلب صادق کی بناء پر مدد طلب کرتے تھے، کوئی ذی ہوش یہ جانتے ہوئے کہ اولیاء کرام کی رو میں قبروں میں ان کے اجسام سے متعلق ہیں جیسے اس سے قبل بیان ہو چکا، اولیاء کرام سے مدد کے طلب گار ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان ان اموات سے استمداد کو کیسے بعید جان سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے یقینی غفلت والے زندوں سے افضل ہیں، اس کے باوجود تو دیکھے گا کہ جب اس منکر کو کسی ظالم، فاسق یا کافر سے کوئی کام پڑ جائے تو بڑی عاجزی، انکساری اور خوشامد کے ساتھ اس کے پاس جائیگا اور کہے گا میرا فلاں کام کر دیجئے اور اس سے مدد مانگے گا (یا پولیس الممدوا)، پھر کہے گا کہ فلاں نے میرا کام کر دیا، مجھے نفع پہنچایا ہے۔ بلکہ بھوکا ہو تو خوراک سے سیری کی امداد، پیاسا ہو تو پانی سے سیرابی کی امداد، ننگا ہو تو کپڑے سے ستر پوشی کی امداد وغیر ذاک طبعی امدادیں طلب کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ خوراک، پانی اور کپڑا بے جان چیزیں ہیں اور اگر اس استمداد کی تصریح کر دے کہ میں خوراک سے سیری طلب کرتا ہوں وغیر ذاک مجازی معنی مراد لے اور عقیدہ یہ ہو کہ حقیقتاً مدد دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو کوئی خطا نہیں، گناہ نہیں، عار نہیں،

۱۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

حاکم عظیم فادود وادیں یہ کچھ نہیں۔ مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

اسی طرح یہ غافل کہتا ہے کہ فلاں دوا جلاب آور ہے، فلاں شے قابض ہے۔ فلاں معجون فلاں مرض سے فائدہ دیتی ہے، یہ بات کہتے ہوئے اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہاں اگر تاثیر اور استمداد کی نسبت اولیاء کرام کی طرف کر دی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر دوا اور ہر معجون سے افضل ہیں تو اسے تنقید بھی یاد آجاتی ہے اور پرہیز بھی اب سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس کا نور بصیرت بجمہ چکا ہے اور حق و صواب دیکھنے والی بینائی ختم ہو چکی ہے۔

مرید کو رشد و ہدایت اور امداد حاصل کرنے کے لئے زندہ یا وصال فرمودہ شیخ کا دامن پکڑنے پر، العہود المہدیہ میں شیخ عبدالوہاب شعراوی کی یہ نقل شوق لاتی ہے کہ حضرت معروف کرخی اپنے احباب کو فرمایا کرتے تھے کہ اگر بارگاہ الہی میں تمہاری کوئی حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ کو میری قسم دو، اس کی ذات کی قسم نہ دو، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے لہذا وہ ان کی درخواست قبول نہیں فرماتا، اگر اسے پہچانتے تو ان کی دعا قبول فرماتا، اسی طرح سیدی محمد حنفی شاذلی سے منقول ہے، وہ ایک جماعت کے ہمراہ مصر سے روضہ کی طرف پانی پر چلتے ہوئے جا رہے تھے، اور انہیں فرماتے تھے "یا حنفی" کہتے ہوئے میرے پیچھے چلتے رہو اور دیکھو! "یا اللہ" نہ کہنا ڈوب جاؤ گے! ان میں سے ایک شخص نے مانا اور "یا اللہ" کہا اس کا پاؤں پھسلا اور وہ حلق تک پانی میں چلا گیا، شیخ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: بیٹے! تجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا نام لے کر پانی پر چل سکے، ٹھہر! تجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت عطا کرتا ہوں یہ کہا اور تمام حجابات اٹھا دئے (انتہی)

حاصل کلام یہ ہے کہ ہو سکے تو زندہ شیخ ورنہ وصال فرمودہ بزرگ کا دامن پکڑنا بہتر ہے، حقیقت یہ ہے کہ سب اموات ہیں جیسے ہم اس سے پہلے ارشاد ربانی "انما میت وانہم میتون" کا مطلب بیان کر چکے ہیں، سمجھنے کی کوشش کرو اللہ تعالیٰ

راہ پاؤں گے معترض نہ بنو ہلاک ہو جاؤ گے، اس لئے کہ جب اولیاء کرام کی بے ادبی کی جائے تو اللہ تعالیٰ سخت غیرت فرماتا ہے۔ قسم اس ذات اقدس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ فیصلہ کن بات ہے ہزل نہیں ہے، بے شک وہ مگر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر فرماتا ہے، کافروں کو ٹھوڑی ڈھیل دو، انہیں کچھ بہت دو۔

ہاں یہ ڈھیل اور ہسریاں یہ علم اور جھنڈے آج کے فقراء جس کے پابند ہیں اور یہ اوقات جو اس زمانے کے مشائخ نے اخراج کئے ہیں بے شک جہالت بلہو اور جھوٹ ہیں۔ راہنما شیخ کو لائق نہیں کہ انہیں اپنائے یا ان کی تائید کرے، اس میں سوا اللہ تعالیٰ کے فریب میں مبتلا ہونے اور علم نافع کی طلب اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث و سنن میں اجتہاد سے اعراض والا فساد ہے، اگرچہ عرفاء کا ملین سے یہ امور سرزد ہوں تو ہم اس پر انکار نہیں کرتے (کہہ خطائے بزرگاں گرفتار خطا است)، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”لے جلیب اتم فرما دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟ صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔“

صحیح عقیدہ اور عبادات و معاملات میں سے واجب کو جان لینے کے بعد اکٹھے ہونا اور ادب و احترام کے ساتھ بغیر کسی غلطی کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا نہ صرف جائز ہے۔ بلکہ مستحب ہے جس نے اپنے تعصب اور جہل کی بنا پر اسے رد کیا ہے وہ لائق توجہ نہیں

سے حدیث قدسی میں ہے ”من عادى لي وليا فقد اذنته بالحرب“ جو میرے ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے

اسے اعلان جنگ ہے ۱۲

بلکہ متوسط بلند آواز سے ذکر کرنا جائز اور مستحب ہے تفصیل کے لئے ذکر بالجہر ”ہر وہ حصص از مولانا علامہ

علامہ رسول سیدی زید مجدہ مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری دروازہ لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

ہے، حضرت شیخ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الشرح البکیر علی الجامع الصغیر" میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا کہ انہوں نے حدیث شریفہ اکثر واذا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون (اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں یہ پاگل ہے، اور ایسی ہی دوسری حدیثوں سے اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ صوفیاء کرام جو مسجدوں میں ذکر کی مجلسیں قائم کرتے ہیں، بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ اونچی آواز سے پڑھتے ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ امام مناوی نے فرمایا: متعدد حدیثیں بلند آواز سے ذکر کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں اور کئی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے، ان میں تطبیق یہ ہے کہ یہ مختلف حالات اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے ہے (بعض اشخاص کے لئے بعض حالات میں جہر بہتر ہے اور بعض کے لئے آہستہ بہتر ہے)، جس طرح امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حدیثوں میں تطبیق دی ہے۔ جن میں سے بعض سے بلند آواز سے قرأت کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور بعض سے آہستہ پڑھنے کا (انہی کلامہ)

البتہ خاص طور پر یہ چیخنا، چلانا، گلا بھاڑنا، گانے والوں کی آوازیں سن کر اور بلند آواز سے ذکر کرنے والوں کی آوازوں کی شدت سے وجد میں آنا اور ہاتھ پاؤں مارنا اس سلسلے میں ہم بغیر کسی قید کے کچھ نہیں کہتے بلکہ ہم تفصیل کریں گے کہ اگر یہ حق ہے کہ اس وقت اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارہ ہونے والے معانی نے اسے مجبور کر دیا۔ اور وہ حالت وجد میں بے ساختہ اٹھ کھڑا ہو تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ یہ اس شخص کے لئے کمال نہیں ہے، کمال پر سکون رہنا ہے جیسے ارسلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم توحید کے موضوع پر لکھے ہوئے اپنے رسالہ میں فرمایا ہے کہ

جب تو اسے پہچان لے گا تو پر سکون ہوگا جب نہیں پہچانے

گا۔ تو مضطرب کرے گا۔

اور اگر محض خواہش نفسانیہ نے اسے کھڑا ہونے، وجد کرنے اور عمدہ حرکت کرنے پر ابھارا ہے، اس کی محبت کو ابھارا ہے اسے خوشی اور طرب میں مبتلا کیا ہے اور چیخنے اور ناچنے پر برا نگینہ کیا ہے تو وہ سرکش شیطان ہے اسے منع کرنا، دور کرنا اور جماعت میں سے نکال دینا ضروری ہے تاکہ باقی ذکر کرنے والوں کو نہ بگاڑے ان کے دلوں کو پراگندہ اور ان کے خشوع و احترام کو ختم نہ کر دے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ سچے اور جھوٹے مرید میں فرق کس طرح معلوم ہوگا؟ تو ہم کہیں گے کہ جو شخص شراب پیتا ہے تو ضرور یا تو وہ تے کرے گا یا دم از کم، اس کے منہ سے اس کی بومسوس کی جائے گی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہم اس سے پوچھیں گے کہ تمہیں چیخنے چلانے اور ناچنے پر کس چیز نے برا نگینہ کیا ہے؟ اگر وہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی

طرف سے وارد ہونے والے کسی معنی نے اس پر ابھارا ہے اور سماع کے دوران دل پر وارد ہونے والے معانی کی کسی قدر تفصیل بیان کرتا ہے حتیٰ کہ ہم پھل سے شاخوں پر اور پھول سے باغ پر استدلال کر سکیں تو ہم اس کی بات مان لیں گے اور اس کے بارے میں نیکی کا گمان رکھیں گے اور اگر ہمارے سوال کے جواب میں محض جوش کا اظہار کرتا ہے اور صرف اتنا کہتا ہے کہ میں اپنے رب کی محبت میں حیرت زدہ ہو گیا تھا اور حقائق وجود کے ذکر نے مجھے اکسایا تھا اور وہ ہر فضیلت سے خالی ہے تو وہ سرکش شیطان ہے اسے نکال باہر کرنا اور تادیبی کارروائی کرنا لازم ہے۔

۱۰ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ایں مدعیان در طلبش بے خزانند کا نزا کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

رہا حضرت شیخ شرف الدین ابن فارس، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، حضرت عیض الدین
تمسانی اور شیخ عبد البہادی السودی وغیرہم صوفیاد عارفین کے اشعار کا پڑھنا تو یہ دل کو
کو بارگاہِ آہلی کی طرف راغب کرتے ہیں، ہر وہ شخص جو حقائق کو سمجھتا ہے اس کے لئے
ان کا سننا اور پڑھنا جائز ہے، اور جسے یہ اشعار ہو میں مشغول کر دیں، نفسانی مسرت میں
واقع کر دیں اور ان سے وارداتِ قلبیہ کا فائدہ نہ ہو تو اس کے لئے ان کا سننا جائز نہیں ہے
کیونکہ اس وقت اس کا سننا محض لہو اور فریب ہے جس طرح شاعر نے کہا ہے۔

اگر تونے زندہ کر پکارا ہے تو تونے اسے ضرور سنایا ہے

لیکن جسے تو پکار رہا ہے وہ تو زندہ ہی نہیں ہے

ہم پر لازم ہے کہ ہم کائنات کے کسی فرد کے بارے میں بدگمانی نہ کریں، سوائے
اُس شخص کے جو اپنے کفر کا برملا اظہار کرتا ہے یا بے باکانہ فسق کا مرتکب ہے، جب وہ ہمیں
اپنے متعلق خود بتا دے یا ہمیں اس کے کلام کی بے ہودگی سے پتہ چل جائے اور ہمیں آشکارا
ہو جائے کہ وہ سمجھتا نہیں ہے اور اپنے رب پر یقین نہیں رکھتا، (ورنہ، ہمارے نزدیک سب
کمال پر محمول ہیں، اس قدر بیان ہم پر واجب تھا، ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ سے خیانت
نہ کرے اور اپنے نفس کو مغالطہ نہ دے، اگر اپنے نفس میں معرفت کی قوت پاتا ہے اور سماعِ وجد
اور اشعارِ خوانی کی مجلسوں میں حاضری سے فائدہ محسوس کرتا ہے تو حاضر ہو ورنہ علومِ نافعہ
(علومِ دنیویہ) کی طلب میں مشغول ہونا بہتر ہے، جیسے شاعر نے کہا ہے۔

جب تو کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے چھوڑ دے

اور ایسا امر اختیار کر جس کی تو طاقت رکھتا ہے۔

طریقت میں منافقت سے پوری طرح گریز لازم ہے، کیونکہ کھوٹے کھرے میں فرق

کرنے والا ہی صاحبِ بصیرت ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

لیکن یہ مخصوص لباس جسے صوفیاد کے ہر گروہ نے اپنا رکھا ہے مثلاً

پیوند زدہ کپڑے، اور اون کی چادریں اور "میویات" (مخصوص لباس) یہ ایسا امر ہے جس کے ذریعے وہ اپنے گزشتہ بزرگوں سے تبرک حاصل کرنا چاہتے ہیں، لہذا انہیں نہ تو اس سے منع کیا جائیگا اور نہ حکم دیا جائیگا۔ کیونکہ اس زمانے کے اکثر لباس ایسے ہی ہیں مثلاً وہ عمامے جو فقہار اور محدثین نے اپنا رکھے ہیں اور وہ عمامے جو فوجی اور لشکری پہنتے ہیں اور وہ لباس جنہیں عوام و خواص استعمال کرتے ہیں یہ سب مباح ہیں، ان میں سے بہت کم سنت کے مطابق ہیں، ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ بدعت ہیں کیونکہ بدعت، دین میں وہ فعل ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے کے خلاف ہو، یہ مختلف انداز، لباس اور عمامے عادت میں نئے ہیں دین میں نئے نہیں ہیں اور یہ سنت کے مخالف بھی نہیں ہیں، کیونکہ فقہار کی تعریف کے مطابق سنت ہر وہ فعل ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور عبادت کیا ہو نہ بطریق عادت، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمامہ اور دوسرے مخصوص کپڑے عادتاً زیب تن فرماتے تھے نہ کہ بطریق عبادت، کپڑے پہننے سے مقصود ستر و پشی اور سردی گرمی کی اذیت کو دور کرنا ہے اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اون اور روئی وغیرہ کے عام اور بہترین کپڑے پہننا ثابت ہے لہذا لباس کی مخالفت سنت کی مخالفت نہیں ہے۔ اگرچہ ہر چیز میں اتباع نبوی افضل اور مستحب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين آمين

سارے عورتوں کے لئے تنگ لباس اور مردوں کے لئے چست پتلون پہننا ناجائز ہے جس سے ایک ایک عضو کا صحیح حجم ظاہر ہو کیونکہ جس عضو کی طرف پردے کے بغیر دیکھنا منع ہے اس کی طرف ایسے پردے کے ہوتے ہوئے دیکھنا بھی ممنوع ہے جس سے اعضاء کا صحیح حجم نمایاں ہو ملاحظہ ہو درمختار دردمختار وغیرہ کتب فقہیہ ۱۲ شرف قادری



کشف النور عن اصحاب القلوب

للامام العلامة العارف بالله تاج الامم قدوه المحققين
سيدي عبد الغني آفندي النابلسي رضي الله تعالى عنه

(م ۱۱۴۳ هـ)

ناشر:

مکتبہ نوریہ رضویہ

۱۱۔ گنج بخش روڈ، لاہور



٤١٩٧٧ ٥١٣٩٧

الناشر : السيد زاهد علي شاه الرضوي
طبع في : مطبعة المكتبة العلمية - لاهور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وحده ، والصلوة والسلام على من لا نبي بعده ، يقول الحقير عبدالغنى ابن اسماعيل النابلسي الحنفي : هذه رسالة كتبها في ظهور كراهات الاولياء بعد موتهم وحكم رفع البناء عليهم وتعليق الستور الى غير ذلك وسميتها «كشف النور عن اصحاب القبور» . واسأل الله تعالى أن يلهمني ما هو الحق والصواب وأن يوفق إخواني المسلمين إلى الإنصاف عند ظهور الحق والاعتراف ، والله على كل شيء قدير وبالإجابة جدير .

اعلموا إخواني في رضاءة ثدى الإسلام أن الكرامات التي أكرم الله تعالى بها اولياءه المقربين الى حضرته أمور خارقة لعادة الله تعالى في خلقه، خلقها الله تعالى بمحض قدرته وارادته لا مدخل لقدرة الولي المخلوقة فيه ولا لارادته المخلوقة فيه أيضاً على التأثير فيها البتة وإنما قدرة الولي وارادته المخلوقتان فيه سبب لخلق الله تعالى تلك الكرامات على يديه ونسبتها اليه ، وكل من اعتقد ان الولي له تأثير في شيء من ذلك فهو كافر بالله تعالى على ما عرف في علم التوحيد .

وحقيقة أمر الولي في خالق الله تعالى الكرامات على يديه انه متحقق بوحداية الله تعالى في التأثير . وانه لا تأثير له عند نفسه البتة حتى ان حركات نفسه التي هي القوى الروحانية المتشعبة في البدن وهي القوة الباصرة والقوة السامعة والقوة الذائقة والقوة الالامسة والقوة الشامة والقوة العقلية الباطنية المتفكرة والمتخيلة والحافظة . وكذلك الحركات الظاهرة في جميع الاعضاء والاعصاب ونحو ذلك ، فانها مخلوقة فيه لله تعالى . وهو مشاهد لجميع ذلك في نفسه ومتحقق به في كل وقت إلا إذا سلط الله عليه الغفلة في بعض الاحيان فيكون في ذلك الوقت ليس بولي الله تعالى إلا بحسب ما مضى كالمؤمن النائم فانه مؤمن بسبب

حكم ما مضى في اليقظة من الإيمان وهذه الحالة هي أدنى أحوال الأوليا وأدنى شهود من شهوداتهم . وربما سموا شيئاً من ذلك في طريقهم موتاً اختيارياً اخذاً من إشارة قوله تعالى ﴿ انك ميت وانهم ميتون ﴾ ومعنى إشارة الآية على عدم الفرق بين ميت بالسكون والتشديد كما ذكره الجوهرى في الصحاح : انك يا محمد وإن ظهر التأثير منك ومنهم في الباطن والظاهر بحسب الإدراك والافعال ميت وهم ميتون لأن حياتك مخلوقة كحياتهم وهي عرض يخلق الله تعالى الإدراك باطنا والافعال والاقوال ظاهراً عندها لا بها ، فهي سبب لخلق ذلك من الله تعالى فهي موت في حقيقة الأمر فيك وفيهم جميعاً . وهذا الموت الاختيارى شرط في مقام الولاية حتى إذا لم يتحقق به الولي في نفسه فليس بولي واليه الاشارة بقوله عليه السلام : « من عرف نفسه فقد عرف ربه » يعنى من عرف نفسه ، انها كناية عن قوى باطنية وظاهرية منبعثة من العدم بسطوة قدرة غيره عرف ربه . والرب هو المالك يعنى عرف مالك امره الباطن والظاهر وهو الله تعالى فيعرفه من حيث انه الخالق لتلك القوى والمصرف لها فيما يشاء تعالى ويختاره ويعلم ان نفسه في يد الله تعالى يتصرف فيها كيف يشاء كما كان يقسم النبي ﷺ بقوله : « والذى نفسى بيده » أى وحق الذى جميع قواى الباطنية والظاهرية في تصرفه وحده لا مدخل لى في ذلك البتة . ومن هنا يفهم قول النبي عليه السلام في حديث التقرب بالنوافل : « كنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصره » ... الى آخره فيظهر لذلك المتقرب بالنوافل الفاعل المتصرف في قواه كلها وتبقى القوى عنده اجراضاً زائلة كى هي في حقيقة الأمر فيكون الحق كناية عنها بعد زوالها من نظر ذلك المتقرب . وليس هذا كله إلا بعد حصول الموت الاختيارى له .

وإذا كان كذلك فالولاية مشروطة عند العارفين بادراك الموت والتحقق به ، والكرامات للاولياء مشروطة حيثئذ عندهم بوجود الموت لا يفقده فكيف يزعم عاقل ان الموت ينافى الكرامات ؟ والكرامات مشروطة به . وإذا لم يتحقق به الانسان في نفسه فليس بعارف ولا ولي . وانما هو عامى من عوام المؤمنين غافل محجوب . وذلك لان الولي هو الانسان الذى يتولى الله تعالى جميع اموره الباطنية والظاهرية كما ذكرنا . وأما غيره فنفسه هي التى تتولى امرها بسببه

الفلة والحجاب عن المتولى في الحقيقة لجميع الأمور وهو الله تعالى لأنه تعالى متولى أمر المؤمن والكافر والغافل والمستيقظ ، ولكن قال تعالى : ﴿ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون إنما يتذكر أولوالباب ﴾ . أي إنما يعلم ذلك ، وهو عدم الفرق بينهما أصحاب البصائر .

ومما يدل على ثبوت الكرامة بعد الموت من أقوال الفقهاء قولهم بكراهة الوطء على القبور . قال في مختصر محيط السرخسي للامام الخبازي : وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالى ان يطأ على قبر أو يجلس أو ينام عليه أو يبول أو يتغوط لما فيه من الإهانة . وفي جامع الفتاوى لقارئي الهداية : وسئل بعض الفضلاء عن وطء القبور فقال : يكره . قيل : هل يكره على انه تارك للأولى . فقال : لا بل يأثم لانه عليه السلام قال : لأن أضع قدمي على جمر أحب إلى من وطء القبر . قيل : التابوت والتراب الذي فوقه بمنزلة السقف . فقال : وان كان له بمنزلة السقف لكن حق الميت باق فلا يجوز . أن يوطأ . وسئل الخجندی عن رجل لو كان قبر والديه بين القبور هل يجوز له ان يمر بين قبور المسلمين بالدعاء والتسبيح وقراءة القرآن ويزور قبرهما ؟ فقال : له ذلك ان امكنه من غير وطء القبور انتهى . وفي فتح القدير : ويكره الجلوس على القبر ووطئه . وحينئذ فما يصنعه الناس ممن دفنت أقاربه ثم دفنت حواليتهم خاق ، من وطء تلك القبور الى ان يصل الى قبر أبيه مكروه ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة بل اولى وكل ما لم يعهد بن السنة ، والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل عليه السلام في الخروج الى البقيع ويقول : «السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون أسأل الله لي ولكم العافية» . انتهى كلامه . وحيث صح هذا وثبت في كتب الفقه فنقول : لم يكره الوطء على القبر والجلوس عليه إلا لكرامة الموتى بعد موتهم . وهذه الكرامة ثابتة في الشرع . وهي امر خارق للعادة في الخلق ، فان العادة جارية ان الانسان يباح له ان يمشي على الأرض وأن يجلس عليها وأن يطيء برجله ابعاض الحيوانات كلها إلا موتى أهل الايمان ، فقد خولفت العادة في حقهم فكره ذلك كله كراهية تحريم ،

لأنها المحمل عند الاطلاق . وإنما كان ذلك تكريماً لهم بعد موتهم ، وهم ان عوام المؤمنين . فكيف الحال مع خواصهم وهم اهل الولاية المقربون الى الله تعالى . فقد ثبتت الكرامة بعد الموت على لسان الشرع .

وايضاً ثبت ان النبي ﷺ كان يزور القبور في البقيع ويدعو عندها قائماً دليل على ثبوت الكرامات بعد الموت لان النبي ﷺ لو لم يكن يعلم ان الدعاء عند قبور المؤمنين مستجاب لخصوصية في المكان بسبب الموتي المدفونين فيه لما دعا عند قبورهم بقوله عليه السلام : «سأل الله ني ولكم العافية» واستجابة الدعاء ببركة قبور المؤمنين التي تنزل عليها الرحمة من جملة الكرامات للمؤمنين بعد الموت . وذلك في حق قبور عوام المؤمنين فكيف قبور خواصهم من اهل التوحيد الكامل اليقين من المقربين الى الله تعالى . وفي ذلك ثبوت الكرامة بعد الموت أيضاً .

ومن الدليل على ثبوتها بعد الموت ايضاً حكم الشرع بوجوب تغسيل الميت المسلم ووجوب تكفينه ودفنه تكريماً له . وهي كرامة اثبتها الشرع للمؤمنين بعد الموت خارقة للعادة في حق موتى سائر بني آدم من الكافرين وجميع الحيوانات التي جرت العادة الشرعية بعدم تغسيلها .

ومن الدليل على ذلك ايضاً ما قاله صاحب النهاية في شرح الهداية : ان الميت ينجس بالموت وان التغسيل واجب لازالة نجاسة تثبت بالموت كرامة للآدمي بخلاف سائر الحيوانات . وفي جامع الفتاوى : يغسل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية الا انه يطهر بالغسل كرامة له . وقيل : لا ينجس لانه مؤمن بل الغسل لاجل انه على غير وضوء انتهى . وهذا يدل على ثبوت الكرامة للمؤمن بعد موته ايضاً .

وذكر في جامع الفتاوى : ان البناء على القبر لا يكره إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات . وذكر فيه ايضاً انه ينبغي أن يكون غاسل الميت على طهارة ويكره أن يكون حائضاً أو جنباً انتهى . وهذا مما هو صريح في ثبوت الكرامة للمؤمن بعد الموت ايضاً بل الكرامات كلها لا تكون للمؤمن إلا بعد الموت . وأما في الحياة الدنيا فلا كرامة له في الحقيقة إلا مجازاً لانه يكون في دار الجوار

لاعداء الله تعالى دار يكفر فيها بالله تعالى وهذا لا يشك فيه عاقل البتة . وفي عمدة
الاعتقاد للامام النسقي رحمه الله تعالى : وكل مؤمن بعد موته مؤمن حقيقة كما في
حال نومه وكذا الرسل والأنبياء عليهم السلام بعد وفاتهم رسل وأنبياء حقيقة لان
المتصف بالنبوة والإيمان الروح وهو لا يتغير بالموت انتهى .

وربما نقول : مراده بالمؤمن المؤمن الكامل وهو الولي ، والإيمان وهو الإيمان
الكامل وهو الولاية وهي باقية بعد الموت لان المتصف بها الروح والروح لا يتغير
بالموت او المراد مطلق المؤمن ومطلق الايمان فيكون المؤمن الكامل والإيمان
الكامل مفهوماً بالطريق الاولى بحسب ما ذكرنا لا سيما وقد قال تعالى في حق أهل
الجنة : ﴿ لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى ﴾ ونحن نتكلم على إشارة هذه
الآية ولا نتمتع عبارتها كما هو دأب أهل الله تعالى فنقول فيما نحن بصدده العارفون
بربهم لهم موتان موتة في نفوسهم وموتة في أبدانهم . والمعتبر عندهم النفوس
دون الأبدان لان الأبدان مساكن النفوس والعبرة بالساكن لا بالدار والسر في
السكان لا في الديار . فاذا جاهدوا انفسهم المجاهدة الشرعية باطناً وظاهراً وسلكوا
طريق الاستقامة ماتت نفوسهم فتحققوا بالحق لما ذاقوا الموت وبقيت أرواحهم
مدرة لأجسامهم في الدنيا بغير واسطة النفوس فكانوا ملائكة في صورة البشر ،
لان الملائكة أرواح مجردة وهم بعد موت نفوسهم ارواح مجردة ايضاً ، كما كان
ينزل جبريل عليه السلام الى صورة دحية الكلبي رضي الله تعالى عنه ويأتي الى
لنبي ﷺ فعند ذلك اذا انقطعت علاقة أرواحهم من تدبير أبدانهم كانوا بمنزلة
جبريل عليه السلام اذا عاد الى عالم تجرده وفارق الصورة البشرية . ولا يسمى هذا
موتاً حقيقياً في حقهم بل يسمى انتقالاً من عالم الى عالم آخر وتقلباً في الأطوار . ولهذا
قال تعالى عنهم ﴿ لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى ﴾ وهذه اشارة الآية الكريمة
لتي لا تنحصر معانيها وعباراتها ولا تنفذ حكمها واسرارها واشاراتها . وإذا كان
لأمر كذلك فكيف يتوهم عاقل ان الله تعالى يقطع تكريمه عن هذا الولي الذي
كملت ولايته بموته الطبيعي والتحاqqه بعالم المجردات حتى صار مع الملائكة في
نفساء الأزل والملكوت كما كان يقول النبي ﷺ عند موته : اللهم الرفيق الأعلى .

هذا وقد ورد في كتاب المحققين من أهل الله تعالى كثير من الحكايات والأخبار المنصحة عن وقوع الكرامات للأولياء بعد الموت وتداولته الثقات مما لا يسعنا إنكاره. فمن ذلك ما ذكره قدوتنا إلى الله تعالى المجتهد الكامل والعالم العامل الشيخ محي الدين ابن العربي قدس الله سره في كتابه «روح القدس في مناصحة النفس» في ترجمة أبي عبدالله ابن زين اليبايري بالياء المثناة التحتانية وضم الباء الموحدة التحتانية الإشبيلي. كان من أهل الله تعالى انه قرأ ليلة تأليف أبي القاسم ابن حمدان في الرد على أبي حامد الغزالي فعمى فسجد لله تعالى من حينه وتضرع وأقسم انه لا يقرأه أبداً ويذهبه، فرد الله تعالى عليه بصره انتهى. وهي كرامة صدرت لأبي حامد الغزالي رضي الله عنه بعد موته على يد هذا الانسان. وذكر الجلال السيوطي رحمه الله تعالى في كتاب له في ذكر الموت سماه «بشرى الكتيب بقاء الحبيب» قال: أخرج الحافظ أبو القاسم اللالكائي في السنة بسند عن محمد بن نصر الصائغ قال: كان أبي مولعاً بالصلاة على الجنائز. فقال: يا بني حضرت يوماً جنازة فلما دفنوها نزل إلى القبر نفسان ثم خرج واحد وبقي الآخر وحشى الناس التراب فقلت: يا قوم يدفن حتى مع ميت؟ فقالوا ما ثم احد فقلت: لعله شبه لي. ثم رجعت فقلت: ما رأيت الا اثنين خرج واحد وبقي الآخر لا أبرح حتى يكشف الله ما رأيت فقرأت عشر مرات يس وتبارك وبكيت وقلت: يا رب اكشف لي عما رأيت فاني خائف على عقلي وديني. فانشق القبر فخرج منه شخص فولى مبادراً. فقلت يا هذا بمعبودك ألا وقفت حتى اسألك فما التفت. فقلت الثانية والثالثة فالتفت وقال: أنت نصر الصائغ. فقلت: نعم. قال: ما تعرفني؟ قلت: لا. قال نحن ملكان من ملائكة الرحمان مؤكلان بأهل السنة إذا وضعوا في قبورهم، نزل حتى نلقنهم الحجة. وغاب عني.

وحكى الياضي في روض الرياحين عن بعض الأولياء. قال: سألت الله تعالى أن يريني مقامات أهل القبور. فرأيت ليلة من الليالي القبور قد انشقت وانهم النائم على السرير ومنهم النائم على الحرير والديباج ومنهم النائم على الریحان ومنهم النائم على السرر ومنهم الباكي ومنهم الضاحك فقلت: يا رب لو شئت ساوينا بينهم في الكرامة. فنادى مناد من أهل القبور: يا فلان هذه أمثال الأعمال

أما أصحاب السندس فهم اصحاب الخلق الحسن ، وأما أصحاب الحرير والديباج فهم الشهداء ، وأما اصحاب الريحان فهم الصائمون ، وأما اصحاب السرر فهم المتحابون في الله ، وأما اصحاب البكاء فهم المذنبون ، وأما اصحاب الضحك فهم أهل التوبة .

قال الياضي : رؤية الميت في خير أو شر نوع من الكشف يظهر الله تبشيراً وموعظة او مصلحة للميت أو اسداء خير او قضاء دين أو غير ذلك . ثم هذه الرؤية قد تكون في النوم وهو الغالب وقد تكون في اليقظة وذلك من الكرامات للأولياء أصحاب الأحوال . وقال في كفاية المعتقد : أخبرنا بعض الأخيار عن بعض الصالحين أنه كان يأتي قبر والده في بعض الأوقات ويتحدث معه .

وأخرج اللالكائي في السنة عن يحيى بن معين قال قال لي حفار أعجب ما رأينا من هذه المقابر اني سمعت من قبر والمؤذن يؤذن وهو يجيبه من القبر .

وأخرج ابو نعيم في الحلية عن سعيد بن جبيرة قال : انا والله الذي لا إله إلا هو أدخلت ثابت البناني في لحدده ومعى حميد الطويل . فلما ساوينا عليه اللبن سقطت لبنة فاذا انا به يصلي في قبره . وكان يقول : اللهم ان كنت اعطيت احداً من خلائك الصلاة في قبره فأعطينها فما كان الله ليرد دعائه .

وأخرج الترمذي وحسنه والمحاكم والبيهقي عن ابن عباس قال ضرب بعض أصحاب النبي ﷺ خبائه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر فاذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها . فأتى النبي ﷺ فأخبره فقال النبي ﷺ : هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب القبر . قال ابو القاسم السعدي في كتاب الافصاح : هذا تصديق من رسول الله ﷺ بان الميت يقرأ في قبره . فان عبدالله أخبره بذلك وصدقه رسول الله ﷺ . وأخرج ابن مندة عن طلحة بن عبيد الله قال اردت ما لي بالغبابة فادركني الليل فأويت إلى قبر عبدالله بن عمرو بن حزام فسمعت قراءة من القبر فما سمعت أحسن منها فجئت الى رسول الله ﷺ فذكرت ذلك له . فقال : ذلك عبدالله ألم تعلم ان الله قبض

أرواحهم فجعلها في قناديل من زبرجد وياقوت ثم علقها وسط الجنة . فاذا كان الليل ردت اليهم ارواحهم فلا تزال كذلك حتى اذا طلع الفجر ردت ارواحهم الى مكانها الذي كانت فيه .

وأخرج أبو نعيم في الحلية عن ابراهيم ان المهلبى قال حدثني الذين كانوا يمرون بالمصر في الاسحار قالوا : كنا اذا مررنا بمجربات قبر ثابت البناني سمعنا قراءة القرآن .

وأخرج ابن مندة عن سلمة بن شبيب . قال سمعت ابا حماد الحنفار . وكان ثقة ورعاً . قال : دخلت يوم الجمعة المقبرة نصف النهار ، فما مررت بقبر إلا سمعت منه قراءة القرآن . وأخرج ابن مندة عن عاصم السقطى قال : حفرنا قبراً يبلغ فنذ في قبر فنظرت فاذا بشيخ في القبر متوجه الى القبلة وعليه إزار أخضر وأخضر ماحوله وفي حجره مصحف يقرأ فيه . وأخرج ابن مندة عن ابى النصر النيسابورى الحنفار . وكان صالحاً ورعاً قال : حضرت قبراً فانفتح في القبر قبر آخر ، فنظرت ، فاذا أنا بشاب حسن الوجه حسن الثياب طيب الريح جالساً متربعاً وفي حجره كتاب مكتوب بخضرة أحسن ما رأيت من الخطوط وهو يقرأ القرآن فنظر الشاب إلى وقال : أقامت القيامة ؟ قلت : لا . فقال : اعد المدرة الى موضعها فاعدتها إلى موضعها .

ونقل السهيلي في دلائل النبوة عن بعض الصحابة رضى الله عنهم انه حفر في مكان فانفتحت طاقة . فاذا شخص على سرير وبين يديه مصحف يقرأ فيه وامامه روضة خضراء وذلك بأحد ، وعلم انه من الشهداء لأنه رأى في صفحة وجهه جرحاً . وأورد ذلك ايضاً أبو حيان في تفسيره . وحكى الياقنى في روض الرياحين عن بعض الصالحين قال : حضرت لرجل من العباد قبراً وألحدته فيه فينما أنا أسوى اللحد إذ سقطت لبنة من لحد بلية فنظرت فاذا شيخ جالس في القبر عليه ثياب بيض تقعقع وفي حجره مصحف من ذهب مكتوب بالذهب وهو يقرأ فيه فرقع رأسه إلى وقال : أقامت القيامة ؟ رحمك الله . قلت : لا . فقال رد اللبنة الى موضعها رعاك الله . فرددتها . وقال الياقنى ايضاً : روينا عن حفر القبور من الثقات انه حفر قبراً

شرف فيه على انسان جالس على سرير وبسيدة مصحف يقرأ فيه ونحته نهر يجرى
شي عليه وأخرج من القبر ولم يدروا ما أصابه فلم يبق إلا في اليوم الثالث .

واخرج سعيد بن منصور عن عديّة بنت أهبان بن صفي الغناري صاحب
سول الله ﷺ قالت : أو صانا أبي ان نكفنه في قميص قالت : فلما
سبحنا من الغد من يوم دفنا . اذا نحن بالقميص الذي دفناه فيه عندنا .

واخرج ابن ابى الدنيا في كتاب المنامات بسند لا بأس به من مرسل راشد
سعد ان رجلا توفيت امراته ، فرأى نساء في المنام ولم ير امرأته معهن .
ألهن عنها . فقلن : انكم قصرتم في كفنها فهي تستحي تخرج معنا . فأتى
جل الى النبي ﷺ وأخبره . فقال النبي ﷺ : انظر هل الى بقية من سبيل . فأتى
بلا من الأنصار قد حضرته الوفاة فأخبره فقال الانصاري : ان كان احد يبلغ
بوتي بلغته . فتوفى الانصاري فجاء بشوبين مشردين بالزعفران . فجعلهما في
ن الانصاري . فلما كان الليل أتى النسوة ومعهن امرأته ، وعنيها الثوبان
اصفران انتهى .

وذكر الشيخ الشعراوي رحمه الله تعالى في كتابه «طبقات الأخيار» في ترجمة
ابن أحمد البدوي ان سيدي عبدالعزیز الدیرینی رضی الله عنه كان اذا مثل عن
سي أحمد البدوي قال : هو بحر لا يدرك له قرار واخباره ومجيبه بالاسرى من
بلد الفرنج وإغاثة الناس من قطاع الطريق وحيلولته بينهم وبين من استنجد به
لحمويها الدفاتر رضی الله تعالى عنه . قلت : وقد شاهدت انا بعيني سنة خمس
وبعین وتسعمائة اسيرا على منارة سيدي عبدالعال مقيداً مغلولاً وهو مخبط العقل .
لته عن ذلك . فقال : بينما انا في بلاد الفرنج آخر الليل توجهت الى سيدي
بد فاذا انا به فأخذني وطارني في الهواء فوضعتني هنا . فمكث يومين وراسه .
مرة عليه شدة من الخبطة انتهى . وهذا كله ، صريح بثبوت الكرامات
الموت وهو أمر حق في نفسه لا يشك فيه إلا كل ناقص الايمان منطه من
سيرة مطرود عن باب فضل الله تعالى متعصب على أهل الله تعالى أو قعه الله تعالى
ورطة الإنكار على أوليائه تعالى وقد اهان الله تعالى وغضب عليه وانقاه

الى الشيطان يتلاعب به ليغض من يحبهم الله تعالى فيعرضه للاستخفاف بهم وبكرامات
 واهانة قبورهم واحتقارها مع أن المعلوم عند من قرأ في علم العقائد والتو-
 ان الارواح لها اتصال بالأجساد بعد الموت كاتصال شعاع الشمس بالأرض والار
 في مقبرها فيجب احترام قبور المؤمنين البتة لهذا المعنى حتى قال العجلال السيوطي
 رحمه الله تعالى في كتابه «بشرى الكئيب باقواء الحبيب» . قال الياقبي : مذهب أ
 السنة أن ارواح الموتى ترد في بعض الأوقات من عليين او من سجين إلى أجساد
 في قبورهم عند إرادة الله، وخصوصاً ليلة الجمعة ويجلسون ويتحدثون وتتوكلون
 النعيم وتعذب أهل العذاب . قال : ويختص الأرواح دون الأجسام بالنعيم
 والعذاب مادام في عليين أو سجين وفي القبر يشترك الروح والجسد انتهى .

ومما يدل على اتصال الأرواح بالأجساد في القبور بعد الموت ما نقله
 بحر الكلام للإمام النسفي رحمه الله تعالى من قوله في عذاب القبر . فان قيل
 كيف يوجع اللحم في القبر ولم يكن فيه الروح؟ فالجواب : سئل النبي ﷺ
 قيل له : كيف يوجع اللحم في القبر ولم يكن فيه الروح : فقال عليه الص
 والسلام : كما يوجع سنك وإن لم يكن فيه الروح؟ الا ترى إن النبي ﷺ أخبر
 . لسن يتوجع لما انه متصل باللحم ، وإن لم يكن فيه الروح . فكذلك بعد الموت
 لما كان روحه متصلاً بجسده فيتوجع انتهى وهذا صريح في أن روحانيات الميت
 متصلة بأجسامهم التي في قبورهم وإن بليت أجسامهم وصارت تراباً . ولهذا
 الشرع باحترام قبورهم كما ذكرناه فيما تقدم . فكيف لا ينبغى للمؤمنين اح
 قبورهم وتعظيمها وزيارتها والتبرك بها وهم يعلمون ان الروحانيات الكاملة الق
 متصلة بتلك الأجساد الطيبة الظاهر كما هو مقتضى الاخبار النبوية وان ص
 تراباً . ولا ارى المنكر لذلك إلا جاهل يعتقد من جهله أن الأرواح أعراض
 بالموت كما تزول الحركة عن الميت ، طبق ما هو مذهب بعض الفرق الضالة
 حتى أنهم يزعمون ان الأولياء إذا ماتوا صاروا تراباً والتحقوا بتراب الأرض
 وذهبت روحانياتهم ، فلا حرمة لقبورهم . ولهذا يهينونها ويحتقرونها وينكرونها
 من زارها وتبرك بها حتى إنى سمعت باذني رجلاً يقول يوماً وانا أسمع

سبأ الى زيارة قبر الشيخ ارسلان الدهشتي رضى الله عنه : كيف تزورون تراباً ؟
هذا إلقاء عقل ! فتعجبت من ذلك غاية العجب ، وقلت في نفسي : ما هذا
بل من يدعى الاسلام ، ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم .

وقد ورد في الحديث «ان القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من
رائيران ولا معنى لذلك إلا أن روحانيات الموتى إما تنعم في قبورهم أو تعذب
ا . وذلك باتصال الروحانيات بالأجساد البالية التي خرجت من الدنيا وهي
نيرة بالإيمان والطاعات أو قدرة بالكفر والمخالفات . فحينئذ قبور المؤمنين
يتم متبجلة مظمة كما كانوا قبل ذلك ، وهم أحياء محترمون متبجلون . فإن من
قر عالماً أو بغضه خيف عليه الكفر ، كما صرح بذلك الفقهاء .

ولا فرق بين الأحياء في ذلك والأموات . أرايت أن الأحياء والأموات كلهم
يقات الله تعالى لا تأثير لأحد منهم في شيء من الأشياء البتة . وانما المؤثر
الله تعالى وحده على كل حال والأحياء والأموات سواء في عدم التأثير قطعاً
غير شبهة ولكن الاحتمام واجب في حق الجميع . قال تعالى (ومن يعظم
سائر الله فاتنها من تقوى القلوب) وشعائر الله هي الأشياء التي تشعر اى تعلم
تعالى كالعلماء والصالحين أحياء و... إذا ونحوهم .

ومن تعظيمهم بناء القباب على قبورهم وعمل التوابيت لهم من الخشب حتى
يحتقرهم العامة من الناس وإن كان ذلك بدعة فهي بدعة حسنة ، كما قال
الفقهاء في تكبير العمائم وتوسيع الثياب للعلماء ، انه جائز حتى لا تستخف بهم
أمة ويحترمونها . وإن كان ذلك بدعة لم يكن عاصها السلف حتى قال في
مع الفتاوى في البناء على القبر: وقيل لا يكره إذا كان الميت من المشايخ والعلماء
ومادات . وفي المضمرة : وكان الشيخ ابوبكر محمد بن الفضل يقول : لا بأس
بعمال الأجر في ديارنا وكان يجوز استعمال رفراف الخشب . وذكر الامام
الريثي : هذا إذا كان حول الميت وأما إذا كان فوقه فلا يكره لأنه عصمة من
الرع وهذا كما اعتادوا التسليم باللبن صيانة عن النيش . ورأوا ذلك حسناً . وفي تنوير
المنار : ولا يرفع عليه بناء . وقيل : لا بأس به . وهو المختار وفي شرح الكنز

للزياعى. وقيل: لا بأس بالكتابة ووضع الحجر ليكون علامة لما روى انه عليه السلام وضع حجراً على قبر عثمان بن مظعون انتهى .

واما وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء فقد كرر الفقهاء حتى قال في فتاوى الحجة: وتكره الستور على القبور انتهى . ولكن نحن الآن نقول ان كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر الذى وضعت عليه الثياب والعمائم ولجلب الخشوع والأدب لقلوب الغافلين الزائرين لأن قلوبهم نافرة عن الحضور والتأدب بين يدي اولياء الله تعالى المدفونين في تلك القبور، كما ذكرنا من حضور روحانياتهم المباركة عند قبورهم فهو امر جائز لا ينبغى النهى عنه لأن الأعمال بالنيات، ولكل امرئ ما نوى فانه، وإن كان بدعة على خلاف ما كان عليه السلف . ولكن من قبيل قول الفقهاء في كتاب الحج: انه بعد طواف الوداع يرجع القهقرى حتى يخرج من المسجد لان في ذلك إجلال البيت وتعظيمه، حتى قال في منهج السالك وما يفعله الناس من الرجوع القهقرى بعد الوداع فليس فيه سنة مروية ولا محكى وقد فعل أصحابنا انتهى . وهذا تعظيم للبيت الحرام مع أنه جماد والأولى أفضل منه من غير شبهة لأنهم مكلفون بخدمة الله تعالى دون الكعبة لأن عبادتنا بلا تكليف . وإن كانوا أمواتاً فالبيت كالجماد والاحترام لازم في حق الجميع وكسوة الكعبة أمر مشروع حتى ذكروا انه يجوز ستر الكعبة بالحرب و قبور الصالحين والأولياء وان لم تكن كعبة ولا كالكعبة من جهة الاحكام ولكنها محترمة لأن الكعبة انما امرنا بالتوجه إليها والطواف بها وتعظيمها واحترامها مع أنها جماد ابتلاء من الله تعالى تكليفاً لنا وإلا فهى أحجار . وكل من كان سجوده لها نفسها كما عابد اصنام فيكفر بالله تعالى ولهذا ورد أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال حين قبل الحجر في طوافه: انى أعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا ان رأيت رسول الله ﷺ فعل ذلك ما فعلته . قالوا سبب ذلك انه تذكر وضوء الجاهلية الاصنام حول البيت وسجودهم لها فخشى ان يظن احد ان تقبيل الحجر يشبه نوعاً من الجاهلية فقال ما قال رضى الله عنه: وما سمعنا أحداً من العامة

غيرهم يعتقد ان قبور الصالحين كعبة يصح الطواف بها أو تصح الصلاة اليها حتى نخاف عليهم من ذلك . وإنما العامة جميعهم يعلمون ان القبلة هي الكعبة وحدها . وانها في مكة ولكنهم يبالغون في التعظيم والاحترام لتلك القبور لانها قبور أولياء الله تعالى وقبور احبائه تعالى وأهل صفوته . هذا مقدار ما نعلم من أحوالهم والمؤمن لا يظن بالمشركين إلا خيراً .

وقد ورد في الحديث كما أخرجه الأسيوطي رحمه الله تعالى في الجامع الصغير قال قال رسول الله ﷺ : حسن الظن من حسن العبادة . وقال تعالى : (يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن ان بعض الظن أثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضاً) الآية . ويجب الحمل على الكمال في حق عامة المؤمنين كما كان يعاملهم النبي ﷺ مع علمه باطلاع الله تعالى له ان منهم المنافقين الذين كانوا يبطنون الكفر والجحود ويظهرون الايمان . ومع ذلك كان يعامل الجميع معاملة اهل الايمان لانه جاء يحكم بالظاهر والله يتولى السرائر كما قال عليه الصلاة والسلام . أمرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله واني رسول الله ، فاذا قالوها فقد عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله . ولا ينبغي لمسلم ان ينكر كل ما يراه حدث ولم يكن في العصر الأول ما لم يطلع على قباحتها وان فاعله فعله على وجه يخالف ما هو مقصود الدين المحمدي . أرايت ان رسول الله ﷺ يقول : من سن سنة حسنة كان له ثوابها وثواب من عمل بها الى يوم القيامة . فقد سمي ما تحدثه الأمة بعده مما هو غير مخالف لمقصود شرعه سنة مع انه لم يكن له وجود في زمنه ﷺ . فالبدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة على هذا ، تسمية وردت على لسان الشارع ﷺ .

ومن هذا القبيل ما ذكره الفقهاء في مبحث زيارة النبي ﷺ من قولهم وما يفعله بعض الناس من النزول بالقرب من المدينة والمشى الى ان يدخلها حسن . وكل ما كان ادخل في الأدب والاجلال كان حسناً كما ذكره والذي رحمه الله تعالى في حاشيته على شرح الدرر في كتاب الحج .

ويُقاس على هذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصالحين وهو أيضاً من باب التعظيم والإجلال للأولياء . فالمتصد فيها مقصد حسن لا سيما إن كان ذلك الولي فقراء يخدمونه ، يحتاجون إلى إيقاد المصباح ليلاً لقراءة قرآن أو تسبيح أو تهجد وإن كره الفقهاء الصلاة عند القبور ولكن محله في غير الموضع المعد لذلك ، المتباعد عن القبر . وقد قال والدي رحمه الله تعالى في حاشيته على شرح الدرر : وتكره الصلاة في المقبرة لأنه يشبه اليهود . فإن كان فيها موضع أعد للصلاة ليس فيه قبر ولا نجاسة . فلا بأس به كما في الخانية وفي الحاوي . فإن كنت القبور وراء المصلي لا يكره وإن كان بينه وبين القبر مقدار مالو كان في الصلاة ومر إنسان لا يكره فهنا أيضاً لا يكره انتهى .

وأما وضع اليدين على القبور والتماس البركة من مواضع روحانيات الأولياء فهو أمر لا بأس به أيضاً . قال في جامع الفتاوى . وقيل : لا يعرف وضع على المقابر سنة ولا مستحباً ولا نرى به بأساً انتهى . والأعمال بالنيات فإن كان مقصده خيراً كان خيراً . والله يتولى السرائر .

وأما نذر الزيت والشمع للأولياء يوقد عند قبورهم تعظيمهم ومحبة فيهم فهو جائز في الجملة . رأيت أن الفقهاء قالوا في وقف الذمي الزيت على سراج بيت المقدس : أنه صحيح لكونه قرابة عندنا وعندهم . وفي كتاب أوقاف الخصاص من بحث وقف الذمي فإن قال أرضى صدقة موقوفة تكون غلتها في ثمن زيت للإسراج في بيت المقدس . قال : هذا جائز لأنه قرابة عندنا وعندهم انتهى . وبيت المقدس مسجد شريف فالإسراج فيه من جملة تعظيمه وكذلك قبور الصالحين والأولياء المقربين .

وكذلك نذر الدراهم والدنانير للأولياء بأن تصرف على فقرائهم المجاورين عند قبورهم أمر جائز في نفسه لأن النذر فيه مجاز عن العطية كما قالوا في الهبة للفقراء أنه صدقة فليس له الرجوع بها وفي الصدقة على الأغنياء . أنها هبة فيثبت له الرجوع فيها . فالعبرة لمقاصد الشرع دون الألفاظ ، فإن النذر إنما هو مخصوص بالله تعالى فإذا استعمل في غيره كمن قال لرجل : لك على عشرة دراهم إن شفا الله مريضاً ونحوه . ثم قال : نذرت لفلان كذا كان وعداً منه بذلك

هو مجاز عن الهبة إن كان ذلك الرجل غنياً وعن الصدقة إن كان فقيراً . ورب نسان يقول لآخر من اهل الذمة الكافرين بالله تعالى إن شفا الله تعالى مريضى لك عندى مائة درهم مثلاً . ولا يأثم فى قوله ذلك . ويكون صدقة لان الصدقة على فقراء أهل الذمة جائزة ما عدا الزكواة ، كما قرره الفقهاء فى كتبهم . فكيف قول عاقل بحرمة قول الانسان لولى من الاولياء بعد الموت ان شفا الله مريضى لك عندى مائة درهم ونحوه . مع أن أهل الولاية أولى فى هذا المعنى من غيرهم . إن كانوا أمواتاً فان القائل يعلم ان ذلك يصرف فى مصالح الخادم لذلك الولى وللفقراء المجاورين عنده فيجعل ذلك وعداً وعطية وإباحة من ذلك القائل لكل من يأخذه ، تصحيحاً لقول المؤمنين ما امكن والله ولى التوفيق .

وأما احتجاج بعض الناس على تحريم هذه الأمور بغير دليل قطعى فموجبه عدم الحياء من الله تعالى وعدم الخوف منه فان الحرام فى النهى فى مقابلة الفرض فى الأمر . وكل منهما يحتاج فى ثبوته الى دليل قطعى إما اية من كتاب الله تعالى أو سنة متواترة أو اجماع معتد به أو قياس يورده المجتهد لا غيره من المقلدين لانه لا عبرة بقياس المقلدين الذين لم تتوفر فيهم شروط الاجتهاد كما هو مسطر فى كتب الأصول .

وأما قول بعض المغرورين : بأننا نخاف على العوام إذا اعتقدوا ولىا من الأولياء وعظموا قبره والتمسوا البركة والمعونة منه ان يدركهم اعتقاد ان الاولياء تؤثر فى الوجود مع الله تعالى فيكفرون ويشركون بالله تعالى ، فننهاهم عن ذلك ونهدم قبور الاولياء و نرفع البنيانات الموضوعه عليها ، ونزيل الستور عنها ، ونجعل الإهانة للأولياء ظاهراً حتى تعلم العوام الجاهلون ان هؤلاء الأولياء لو كانوا مؤثرين فى الوجود مع الله تعالى لدفعوا عن أنفسهم هذه الإهانة التى نفعها معهم . فاعلم إن هذا الصنيع كفر صريح مأخوذ من قول فرعون على ما حكاه الله تعالى لنا فى كتابه القديم بقوله تعالى : (وقال فرعون ذرونى اقتل موسى وليدع ربه انى اخاف ان يبدل دينكم او ان يحدث فى الارض الفساد) . وكذلك هؤلاء المغرورون لم يكمل ايمانهم بعد بان الله تعالى يجب أولياءه وأنه يخلق على ايديهم فى حياتهم جميع ما قدر ان يريدوه مما لم يخالف الشرع وجميع ما تريده روحانياتهم بعد موتهم

بأمره تعالى الذي روحانياتهم منه من الأهور الخارقة للعادة وكانهم لم يعلموا بعد ان الإيمان حق وانه منج عند الله تعالى فقلوبهم مملوءة من ظنون و شكوك واوهام وتحيرات وزيف. وقد عموا و صموا و ختم الله تعالى على قلوبهم حتى لم يقدر على الفرق بين الحق والباطل . ومن يضل الله فماله من هاد ولو أنهم صدقوا في خوفهم ذلك على عامة المسلمين لقرروا لهم أحكام العقائد والتوحيد وعلموهم البراهين والحجج القطعية من غير منازعة ولا جدال و حملوهم على الفهم في العقائد والنظر في الفضائل . وشدوا عليهم في ذلك غاية التشديد ، فان العامة متى تحقوا في نفوسهم ان الفاعل واحد على كل حال . ولا تأثير لشيء البتة تحولت خواطرهم عن اعتقاد التأثير في غيره تعالى وعلموا ان كل ما سواه تعالى بيده تعالى ، فتن وتحيرات تسمى أسبابا يضل الله بها من يشاء ويهدي من يشاء . قال تعالى : (والله من ورائهم محيط) يعني من وراء جميع الأشياء المحسوسات والاشياء المعقولات على معنى أنه لا يشبهها ولا تشبهه البتة . وعلى فرض ان يكون غرضهم ذلك المذكور فكيف يجوز انتهاك حرمان الله تعالى في حق أوليائه واهل خاصته بهدم قبابهم وتحقير قبورهم في عيون العامة وهتك ستورهم الموضوعه احتراماً لهم من أجل هذا الأمر الموهوم وهو خوف الضلال على العامة . وكيف يجوز الظن السوء في حق العامة ولم يكن النبي ﷺ ولا أصحابه يفعلون ذلك لان الظن السوء بالمسلمين حرام محقق كما قدمناه .

وأما اعتقاد شيخ بعينه والانتفاء إليه والسلوك على طريقته الخاصة فهو أمر مطلوب . فان العمل بالجوارح كما يحتاج المقلد فيه إلى سلوك مذهب مخصوص إن لم يكن مجتهداً كالحنفي يقلد أبا حنيفة والشافعي يقلد الشافعي ونحو ذلك ، كذلك سلوك الطريق إلى الله تعالى يحتاج إلى تقليد شيخ مخصوص في البداية لتتصل البركة والامداد بواسطة محبة ذلك الشيخ واعتقاده من الله تعالى إلى ذلك الانسان ، كما أن الشيخ إذا كان حياً متصل بركته بخادمه ومعتقده والمستمد منه . فكذلك الشيخ إذا كان ميتاً مدفوناً في قبره فان المؤثر في الحقيقة هو الله تعالى ولا فرق في الاستمداد بين الشيخ الحي والميت بعد معرفة انهما لا يؤثران في شيء ميت .

الاشياء مع الله تعالى قطعاً ، فان المرید الصادق إذا صدق في طلب المدد من الله تعالى على يد شيخ حي او ميت مما هو سبب من جملة الأسباب ، فالله تعالى لا يخيبه البتة . فان المرشد الكامل إذا كان حيا ليس في وسعه إيصال المرید إلى الله تعالى بتأثيره . وإنما الموصل هو الله تعالى وحده ولكن المرشد سبب كما قال تعالى لمحمد ﷺ . الذي هو أعظم مرشد للامة : (إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم) . وقال له : (ليس لك من الامر شيء) .

ونقل قدوتنا الشيخ الاكبر محي الدين ابن العربي قدس الله سره : ان من جملة مشايخه الذين انتفع بهم في طريق الله تعالى ميزاب رآه في مدينة فاس في حائط ينزل منه ماء السطح فانتفع به ومن مشايخه ظله الممتد من شخصه وذكر نحو ذلك في كتابه روح القدس . وهذه الاولياء الذين في قبورهم ليس أنهم أعلى من الميزاب والظل للذين كان يستمد منهما الشيخ الاكبر رضى الله عنه بسبب صدقه في طلبه . فكيف ينكر عاقل استمداد انسان من ولى ميت من اولياء الله تعالى وهو يعلم أن روحانيات الاولياء متصلة بأجسادهم في قبورهم كما سبق بيانه وكيف يستبعد انسان مسلم هذا الاستمداد من الأموات للذين هم أفضل من هؤلاء الأحياء الغافلين عن معرفة رب العالمين بيقين . ومع ذلك تراه إذا عرضت له حاجة إلى نظام أو فاسق أو كافر جاء اليه مستذلاً خاضعاً ويدهنه ، ويطلب منه قضاء حاجته ويستمد منه ثم يقول . فلان قضى حاجتى ونفعتى بل إذا جاع استمد الشبع من المأكل ، وإذا عطش استمد الري من الماء ، وإذا عرى استمد ستر العورة من الثوب ، ونحو ذلك استمداداً طبيعياً مع علمه أن المأكل والماء والثوب جمادات لا روح فيها . ولو صرح بهذا الاستمداد وقال : أنا أطلب الشبع من المأكل ونحوه على المعنى المجازى مع اعتقاده ان الله تعالى هو الممد الحقيقي فلا خطأ عليه ولا اثم ولا عار . وكذلك يقول هذا الغافل الدواء الفلانى مسهل والشىء الفلانى قابض والمعجون الفلانى نافع من كذا ، ولا يبالي في هذا القول ولا يظهر منه الا انتقاد والاحتراز إلا في حق نسبة التأثير والاستمداد إلى اولياء الله تعالى الذين هم أفضل عند الله تعالى من كل دواء وكل معجون وما ذلك إلا من انطماس البصيرة والعماء عن الصواب .

ومما بحث المرید علی اتخاذ الشیخ الحی مسترشداً منه أو المیت مستمداً منه ما نقله الشیخ عبدالوہاب الشعراوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ العہود المحمدیة : ان معروف الکرخی کان یقول لأصحابہ : إذا کان لکم الی اللہ تعالیٰ حاجة فاقسموا علیہ بی ولا تقسموا علیہ بہ تعالیٰ . فقیل لہ فی ذلك فقال : هؤلاء لا یعرفون اللہ تعالیٰ فلم یجبہم ، ولو أنهم عرفوه لأجابہم . وكذلك وقع لسیدی مجد المحنی الشانل انہ کان یعدی من مصر إلی الروضة ماشياً علی الماء هو وجماعته فكان یقول لہم : قولوا یا حنی . وامشوا خافی وإیاکم ان تقولوا یا اللہ ! تفرقوا . فخالف شخص منهم وقال : یا اللہ فزلت رجلہ فنزل الی لمحیته فی الماء فالتفت الیہ الشیخ وقال : یا ولدی انک لا تعرف اللہ تعالیٰ حتی تمشی باسمہ علی الماء ، فاصبر حتی اعرفک بعظمة اللہ تعالیٰ . ثم اسقط الوسائط انتهى .

وفی الجملة فاتخاذ الشیخ الحی أن وجد ، وإلا فالمیت أولى . والکل أموات لما قدمناہ من اشارة قوله تعالیٰ : (انک میت وانہم میتون) فانہم ترشد ان شاء اللہ تعالیٰ ولا تعترض تکن من البہالکین . فان اللہ تعالیٰ یغار لاولیائہ إذا انتهکت حرمتہم أشد غیرة ولا إله غیرہ انہ لقول فصل وماہو بالہزل انہم یکیدون کیدا واکید کیدا فمہل الکافرین امہلہم رویدا .

وأما ہذہ الطبول والنايات وھذہ الأعلام والرأیات الی تنقید بہا الفقراء الیوم وھذہ الأوقات الی اخترعتها مشایخ ہذا الزمان فان جمیعہا جہل ولہو وبطالة لا ینبغی للشیخ المرشد أن یعاملہا ولا أن یقر علیہا لما یترتب علیہا من مفسدة الغرور بغير اللہ تعالیٰ والأعراض عن طلب العلم النافع والاجتہاد فی سنن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وإن کنا نحن لا ننکرہا عل الکاملین العارفين إذا صدرت منهم (قل هل یتوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون إنما یتذکر أو لو الألباب) .

وأما الاجتماع وذكر اللہ تعالیٰ الصحیح المخالی من اللحن مع الأدب والخشوع بعد معرفة الواجب من الاعتقاد الموافق ، والواجب من کیفیة الأعمال الصالحة فی العبادات والمعاملات فهو أمر جائز مندوب إلیہ ولا التفات لمن رده من تعصبہ وجہلہ . فقد نقل الشیخ المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الشرح الکبیر علی الجامع الصغیر عن

الشيخ الأسيوطي رحمه الله تعالى انه اخذ من قوله عليه الصلاة والسلام: أكثرُوا ذكر الله حتى يقولوا مجنون . ونحو هذا الحديث : ان ما اعتاده الصوفية من هقد حلق الذكر والجهر به في المساجد ورفع الصوت بالتهليل لا كراهة فيه . ذكره في فتاواه الحديثية ، قال : وقد وردت أخبار تقتضي ندب الجهر بالذكر وأخبار تقتضي الاسرار به والجمع بينهما . إن ذلك يختلف باختلاف الأحوال والأشخاص كما جمع النووي رضي الله عنه به بين الأحاديث الواردة بنسب الجهر بالقرأة والواردة بنسب الإسرار بها انتهى كلامه .

وأما خصوص هذا الصعق والزعق والصياح والاضطراب والتواجد عند سماع أقوال المغنين واحتباك أصوات الذاكرين جهراً فلا نطلق القول فيه . وإنما نفصل . فان كان بحق بان قام للتواجد قومة المضطر الذي استغرتة المعاني الالهية الواردة على قلبه وخاطره في ذلك الوقت ، فانا لانكر ذلك ولكن نسلمه لفاعله على أنه ليس كمالاً له . والكمال في السكون كما قال الشيخ أرسلان رضي الله عنه في رسالته في علم التوحيد : إذا عرفته سكنت وإذا جهلته تحركت . وأما إذا كان قيامه وتواجده مجرد شهوة نفسية بعثتة فحركته عمدا وهيمته واطربته وحملته على فعل ذلك الصياح والاضطراب ، فهو شيطان مرید يجب منعه وطرده وإخراجه من بين الجماعة حتى لا يفسد بقية الذاكرين ويشتت قلوبهم ويتريل نخشوعهم وأدبهم .

فان قال قائل: من أين يعرف المرید المحقق من المبطل ؟ نقول له : من شرب الخمرة لا بد أن يتقايها أو تنفخ رائحتها من فمه وبيان ذلك إذا نسأله ما الذي حملك حتى صحت وزعقت واضطربت ؟ فان بين معنى الهيا يحمل ذلك وشرح لنا شيئاً من المعاني الواردة على قلبه عند السماع بحيث نستدل بالثمرة على الأغصان وبالزهرة على البستان سالمنا له ذلك واعتقدنا فيه الصلاح .

وأما إذا سأله فوجدناه من جملة الثيران لا يزيد على قوله همت في محبة ربي وأما جنى ذكرى حقائق الوجود وهو متعري من كل فضيلة فهو شيطان عنيد يجب طرده وإخراجه وتأديبه .

وأما إنشاد الأشعار التي تكلم بها العارفون كاشعار الشيخ شرف الدين ابن الفارض والشيخ الأكبر ابن العربي وعفيف الدين التلمساني والشيخ عبدالهادي السودي ونحوهم من السادة الصوفية رضى الله عنهم فهي جملة المهيجة القلبية إلى الحضرة الإلهية . فكل من كان يفهم الحقائق يجوز له سماعها وإنشادها . وكل من الهته واو قعته في الطرب النفساني ولم ينتفع منها بوارد يرد على قلبه فلا يجوز له سماعها ، لأن سماعه حينئذ مجرد لهو وبطالة ، كما قال الشاعر :

لقد سمعت لو نساديت حياً

ولكن لا حياة لمن تناوى

ويجب علينا أن لا نسيء الظنون في أحد من العالمين إلا لمجاهر بكفره ومتهتك بفسقه إذا أخبر عن نفسه أو اطلعنا عليه من فلتات كلامه وتحققنا عدم فهمه وعدم تحققه بربه ، والجميع عندنا محمولون على الكمال . ولكن هذا مقدار الواجب علينا في البيان ويجب على كل مسلم أن لا ينحون نفسه ويغالطها . فان وجد لها قوة على المعرفة والانتفاع بحضور حلق الذكر المشتمل على السماع والوجد والإنشاد فليحضر ، وإلا فاشتغاله بطاب العلوم النافعة أولى كما قال القائل شعرا :

إذا لم تستطع شيئاً فدعه

وجاوزه إلى ما تستطيع

وليحذر كل الحذر أن يكون منافقاً في الطريق فان الناقد بصير (واقه بما تعلمون خير) .

واما هذا الزي المخصوص الذي اتفذه كل فريق من الصوفية كلبس المرقعات وميازر الصوف والميلويات فهو أمر قصدوا به التبرك بمشايخهم الماضين ، فلا ينفون عنه ولا يؤثرون به فان غالب ملابس هذا الزمان من هذا القبيل كالعمائم التي اتخذها الفقهاء والمحدثون . والعمائم التي اتخذها الصاكر والجنود والملابس التي اتخذها عوام الناس ونحواصهم فانها جميعها مباحة ، وليس فيها شيء يوافق السنة إلا القليل . ولا نقول انها بدع ايضاً لأن البدعة هي الفعلة المخترعة في

لدين على خلاف ما كان عليه النبي ﷺ وكانت عليه الصحابة والتابعون رضى الله عنهم هذه الهيئات والملابس والعمائم ليست مبتدعة في الدين بل هي مبتدعة في العادة لاهي مخالفة للسنة ايضاً على حسب ما عرف الفقهاء السنة بأنها كل فعلة فعلها نبي ﷺ على وجه العبادة لا العادة . ولم يكن النبي ﷺ يلبس العمامة على سبيل لعبادة ولا لبس الثياب المخصوصة على طريق العبادة . وانما القصد بذلك ستر العورة دفع اذية الحر والبرد . ولهذا ورد عنه لبس الصوف والقطن وغير ذلك من ثياب العالية والسافة . فليس مخالفته في ذلك مخالفة سنة وإن كان الاتباع في جميع ذلك أفضل لأنه مستحب والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب . وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين . آمين .

وكان الفراغ من تصنيفها نهار الأربعاء السادس والعشرين من شعبان سنة أربع وثمانين بعد الألف ١٠٨٤ من الهجرة النبوية .

وكان الفراغ من كتابتها على يد الفقير محمد عمر الدويكي الشافعي عفا عنهما منتصف صفر المبارك سنة تسع وثمانين وألف (١٠٨٩) .



قابل مطالعہ کتب

۱۴۵۔	تفسیر صادی علی الجلالین	تفسیر روح البیان اردو جلد اول	۳۳۶۔
۱۴۰۔	الحدیقۃ الندیہ فی شرح الطریقۃ المحمدیہ	" " " " دوم	۱۵۰۔
۱۰۰۔	الوفاباحوال المصطفیٰ (عربی)	" " " " سوم	۱۲۰۔
۴۰۔	الحادی للفتاویٰ (عربی)	" " " " چہم	۱۲۰۔
۴۰۔	الخصائص الکبریٰ (عربی)	" " " " پنجم	۱۲۰۔
۵۰۔	مطالع المسرات	" " " " ششم	۱۳۰۔
۱۸۔	شفا السقام فی زیارۃ خیر الانام	" " " " ہفتم	۱۲۰۔
۲۳۔	جلد الافہام	" " " " ہشتم۔ نهم	۲۸۰۔
۲۱۔	بشیر الکامل (اردو)	" " " " دہم	۲۸۰۔
۳۳۔	بشیر الناجیہ شرح کافیہ (اردو)	القول المقبول فی بناب رسول	۳۰۔
۸۵۰۔	فتاویٰ شامی عربی	خصائص کبریٰ اردو کامل ۲ جلد	۷۶۔
۱۳۔	مجموعہ نعت	تاریخ الخلفاء (اردو)	۳۴۔
۱۰۰۔	بہار شریعت جلد	" " " " (عربی)	۳۸۔
۱۵۔	احکام شریعت	ارشادات رسول اکرم	۲۵۔
۱۲۔	نظام شریعت	فتاویٰ عالمگیری (عربی) ۴ جلد	۲۰۰۔
۵۳۔	انوار رضا	" " " " (اردو) ۱۰ جلد	۷۵۰۔
۹۰۔	مکتوبات امام ربانی	تفسیر نعیمی کامل ۸ پارے	۳۰۰۔
۹۹۔	مدارج النبوة (اردو)	جامع الصفات گلیر	۷۰۔
۱۱۵۔	" " " " (فارسی)	" " " " رف	۴۰۔
۸۵۔	معارج النبوة (فارسی)	روح ایمان گلیر	۴۰۔
۷۵۔	جواہر البحار کامل اردو ۲ جلد	" " " " رف	۵۰۔

طبعہ کا پتہ: مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور

اولیاء کرام کے وصال کے بعد ظہور کرانا ان کے مزار پر،
قبے بنانے اور چادر چڑھانے کے موضوع پر نفیس تحقیق

کشف النور

عن

اصحاب القبور

— تصنیف —

امام علامہ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی المتوفی

— ترجمہ —

رئیس التخریج حضرت علامہ مولانا محمد عبد اہم رشید قادری صدر مدرس جامعہ رضویہ لاہور

بسعۃ حبیبیہ

مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا سید زاہد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ نوریہ رضویہ

گنج بخش روڈ — لاہور

عاصم گرجرات رجسٹرڈ
دارالمطابع
کتاب نمبر 45
110